

ولایت علی ع قرآن کریم میں

<?xml encoding="UTF-8">

1:-آیت ولایت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

"إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ "

تمہارے ولی تو بس اللہ اور اس کا رسول اور وہ مومنین ہیں جو پابندی سے نماز پڑھتے ہیں ، رکوع کی حالت میں زکوات دیتے

ہیں۔ جو کوئی اللہ ، اس کے رسول اور ان مومنین کی ولایت قبول کرے گا (وہ اللہ کی جماعت میں داخل ہوگا) بے شک اللہ ہی کی جماعت غلبہ پانے والا ہے۔ (سورہ مائدہ۔ آیت 55-56)

ابو اسحاق ثعلبی (2) نے اپنی تفسیر کبیر میں اپنی اسناد سے ابو ذر غفاری سے یہ روایت بیان کی ہے۔ ابو ذر کہتے ہیں کہ : میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے ان کانوں سے سنا ، نہ سنا ہو تو یہ کان نہپٹ بہرے ہوجائیں اور اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ، نہ دیکھا ہو تو یہ آنکھیں پٹم اندھی ہوجائیں۔ آپ فرماتے تھے کہ "علی" نیکیوں کو رواج دینے والے اور کفر کو مٹانے والے ہیں۔ کامیاب ہے وہ جوان کی مدد کرے گا اور ناکام ہے وہ جو ان کی مدد چھوڑ دے گا۔ ایک دن میں رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک مانگنے والا مسجد میں آگیا ، اسے کسی نے کچھ نہیں دیا۔ علی ع نماز پڑھ رہے تھے ، انہوں نے اپنی چھوٹی انگلی سے انگوٹھی اتار لی۔ اس پر رسول اللہ ص نے عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کاور کہا : یا الہی میرے بھائی موسیٰ نے تجھ سے دعا کی تھی اور کہا تھا : "اے میرے پروردگار ! میرا سینہ کھول دے اور میرا آسان کردے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ لیں ، اور میرے اپنوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا مددگار بنادے تاکہ میں تقویت حاصل کرسکوں اور انہیں میرا شریک کار بنادے تاکہ ہم کثرت سے تیری تسبیح کریں اور بکثرت تجھے یاد کیا کریں۔" تب تو نے انہیں وحی بھیجی کہ اے موسیٰ ! تمہاری دعا قبول ہوگئی۔ اے اللہ ! میں تیرا بندہ اور نبی ہوں۔ میرا بھی سینہ کھول دے ، میرا کام بھی آسان کردے اور میرے اپنوں میں سے علی ع کو میرا مددگار بنادے تاکہ میں اس سے اپنی کمر مضبوط کرسکوں۔" ابو ذر کہتے ہیں کہ ابھی رسول اللہ نے اپنی بات پوری کی ہی تھی جبریل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے : "إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ"(3)۔

شیعوں میں سے اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیت امام علی بن ابی طالب ع کی شان میں اتری ہے۔ اس کی توثیق ائمہ اہل بیت ع کی روایت سے ہوتی ہے جو شیعوں کے نزدیک قطعاً مسلم الثبوت روایت ہے اور ان کی متعدد معتبر کتابوں میں موجود ہے جیسے :1:- اثبات الہدایہ۔ علامہ محمد بن حسن عاملی سنہ 1104ھ۔2:- بحار الانوار۔ علامہ محمد باقر مجلسی سنہ 1111ھ۔3:- تفسیر المیزان۔ علامہ محمد حسین طباطبائی سنہ 1402ھ۔4:- تفسیر الکاشف۔ علامہ محم جواد مغنیہ۔5:- الغدیر۔ علامہ عبدالحسین احمد امینی سنہ 1390ھ

علمائے اہل سنت کی بھی ایک بڑی تعداد نے اس آیت کے علی بن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں نازل ہونے کے متعلق روایت کی ہے۔ میں ان میں سے فقط علمائے تفسیر کا ذکر کرتا ہوں :

- 1:- تفسیر کشاف عن حقائق التنزیل - جار اللہ محمود بن عمر زمخشری سنہ 538 ھ جل 1 صفحہ 649
 - 2:- تفسیر الجامع البیان -(4) حافظ محمد بن جریر طبری سنہ 310 ھ جلد 6 صفحہ 288
 - 3:- تفسیر زاد المسیر فی علم التفسیر - سبط ابن جوزی سنہ 654 ھ جلد 2 صفحہ 4.219:- تفسیر الجامع الاحکام القرآن - محمد بن احمد قرطبی سنہ 671 ھ جلد 63 صفحہ 219
 - 5:- تفسیر کبیر - امام فخر الدین رازی شافعی سنہ 606 ھ جلد 12 صفحہ 6.26:- تفسیر القرآن العظیم - اسماعیل بن المعروف ابن کثیر سنہ 774 ھ جلد 2 صفحہ 71
 - 7:- تفسیر القرآن الکریم - ابو البرکات عبداللہ بن احمد نسفی سنہ 710 ھ جلد 1 صفحہ 8.289:- تفسیر شواہد التنزیل لقواعد التفصیل والتاویل - حافظ حاکم حسکانی جلد 1 صفحہ 9.161:- تفسیر درمنثور - حافظ جلال الدین سیوطی سنہ 911 ھ جلد 2 صفحہ 293
 - 10:- اسباب النزول - امام ابو الحسن واحدی نیشاپوری سنہ 468 ھ صفحہ 148
 - 11:- احکام القرآن - ابو بکر احمد بن علی الجصاص حنفی سنہ 370 ھ جلد 4 صفحہ 103
 - 12:- التسهیل لعلوم التنزیل - حافظ کلبی غرناطوی سنہ ھ جلد 1 صفحہ 181
- علمائے اہل سنت میں سے جن کے نام میں نے لیے ہیں ، ان سے زیادہ وہ ہیں جن کے نام میں نے نہیں لیے ۔ لیکن وہ علمائے شیعہ سے اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت ولایت علی بن ابی طالب ع کی بابت نازل ہوئی ہے ۔

2:- آیہ تبلیغ کا تعلق بھی ولایت علی ع سے ہے

اللہ تعالیٰ کا فرما تا ہے :

"يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ "

اے رسول! جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہے اسے پہنچادو ۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے اسے کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا ۔ اور اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا ۔ (سورہ مائدہ - آیت 67)

بعض اہل سنت مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت بعثت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ص قتل اور ہلاکت کے خوف سے اپنے ساتھ محافظ رکھتے تھے جب آیت نازل ہوئی کہ " وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ " تو آپ نے اپنے محافظوں سے کہا : تم جاؤ ، اب اللہ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے ۔

ابن جریر اور ابن مردویہ نے عبداللہ بن شقیق سے روایت بیان کی ہے کہ کچھ صحابہ رسول اللہ کے ساتھ سائے کی طرح رہتے تھے ۔ جب آیت نازل ہوئی " وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ " تو آپ نے باہر نکل کر فرمایا : لوگو! اپنے گھر والوں کے پاس چلے جاؤ ، اللہ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے ۔ (تفسیر درمنثور - سیوطی جلد 3 صفحہ 119)

ابن حبان اور ابن مردویہ نے ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب ہم کسی سفر میں رسول اللہ کے ساتھ ہوتے تھے تو سب سے بڑا اور سایہ دار درخت ہم آپ کے لیے چھوڑ دیتے تھے ۔ آپ اسی کے نیچے اترتے

تھے ایک دن آپ ایک درخت کے نیچے اترے اور اس پر اپنی تلوار لٹکادی ۔ ایک شخص آیا اور اس نے تلوار اٹھالی ۔ کہنے لگا : محمد ! بتاؤ اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا ؟ " آپ نے فرمایا : " اللہ بچائے گا تو تلوار کھ دے " اس

نے تلوار رکھ دی ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ " وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ " (5)

ترمذی ، حاکم اور ابو نعیم نے عائشہ سے روایت کی ہے ۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ کے ساتھ محافظ

رہتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی : " وَاللّٰهُ يَعْصِيْمُكَ مِنَ النَّاسِ " تو آپ نے قبّہ سے سر نکال کر کہا : تم لوگ چلے جاؤ ، اللہ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے ۔

طبرانی ، ابو نعیم ، ابن مردویہ اور ابن عساکر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ص کے ساتھ محافظ رہتے تھے ۔ آپ کے چچا ابو طالب ہر روز بنی ہاشم میں سے کسی شخص کو آپ کے ساتھ رہنے کے لیے بھیج دیا کرتے تھے ۔ پھر آپ نے ان سے کہہ دیا : چچا جان ! اللہ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے اب کسی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں ۔

جب ہم ان احادیث پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مضمون آیت کریمہ کے ساتھ میل نہیں کھاتا اور نہ اس کے سیاق و سباق کے ساتھ ٹھیک بیٹھتا ہے ۔ ان سب روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بعثت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے ۔ ایک روایت میں تصریح ہے کہ یہ واقعہ ابو طالب کی زندگی کا ہے یعنی ہجرت سے کئی سال قبل کا ۔ خصوصاً ابو ہریرہ تو یہ تک کہتے ہیں کہ جب ہم سفر میں رسول اللہ ص کے ہمراہ ہوتے تھے تو ان کے لیے سب سے بڑا درخت چھوڑ دیتے تھے ظاہر ہے یہ روایت موضوع ہے کیونکہ ابو ہریرہ جیسا کہ وہ خود اعتراف کرتے ہیں

سنہ 7 ہجری سے قبل اسلام اور رسول اللہ کو جانتے بھی نہیں تھے ۔ (6) عائشہ اس وقت تک یا تو پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں یا ان کی عمر دو سال سے زیادہ نہیں تھی کیونکہ یہ معلوم ہے کہ ان کا نکاح رسول اللہ ص سے ہجرت کے بعد ہوا اور اس وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ بااختلاف روایت گیارہ سال تھی ۔ پھر یہ روایتیں کیسے صحیح ہوسکتی ہیں ؟ تمام سنی اور شیعہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ مائدہ مدنی سورت ہے ۔ اور یہ قرآن کی سب سے آخری سورت ہے جو نازل ہوئی ۔

احمد اور ابو عبیدہ اپنی کتاب فضائل میں ، نحاس اپنی کتاب ناسخ میں ۔ نسائی ، ابن منذر ، حاکم ابن مردویہ اور بیہقی اپنی سنن میں جبیر بن نفیر سے روایت کرتے ہیں کہ جبیر نے کہا : میں حج کرنے گیا تو حضرت عائشہ سے بھی ملنے گیا ۔ انہوں نے کہا : جبیر ! تم نے سورہ مائدہ پڑھی ہے ؟ میں نے کہا : جی ہاں ۔ کہنے لگیں یہ آخری سورت ہے جو نازل ہوئی ۔ اس میں تم جس چیز کو حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جسے حرام پاؤ اسے حرام سمجھو ۔ (7)

احمد اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ اور حاکم نے اسے صحیح اور حسن کہا ہے ابن مردویہ اور بیہقی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ بن عمر نے نزول کے اعتبار سے سورہ مائدہ کو آخری سورت بتایا ہے (8) ۔ ابو عبیدہ نے محمد بن کعب قرطنی کے حوالے سے روایت بیان کی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ سورہ مائدہ رسول اللہ ص پر حجۃ الوداع میں اتری ۔ اس وقت آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک اونٹنی پر سوار تھے ، وحی کے بوجھ سے اونٹنی کا کندھا ٹوٹ گیا تو آپ اتر گئے (9) ۔

ابن جریر نے ربیع بن انس سے روایت کی ہے کہ جب سورہ مائدہ رسول اللہ پر نازل ہوئی اس وقت آپ اپنی سواری پرسوار تھے ۔ وحی کے بوجھ سے اونٹنی بیٹھ گئی تھی (10) ۔

ابو عبیدہ نے ضمیرہ بن حبیب اور عطیہ بن قیس سے روایت کی ہے ، وہ دونوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا : نزول کے اعتبار سے مائدہ آخری سورت ہے جو اس میں حلال ہے اسے حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اسے حرام سمجھو (11) ۔ اب ان تمام روایات کی موجودگی میں کوئی انصاف پسند سمجھ دار شخص کیسے یہ دعویٰ تسلیم کرسکتا ہے کہ مندرجہ

بالا آیت بعثت رسول ص کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی ۔ جہاں تک شیعوں کا تعلق ہے ان میں اس بارے

میں کوئی اختلاف نہیں کہ نزول کے اعتبار سے سورہ مائدہ قرآن کی آخری سورت ہے اور خاص کر آیہ تبلیغ حجة الوداع کے بعد 18 ذی الحجۃ کو امام علی ع کے منصب امامت پر تقرر سے پہلے غدیر خم میں نازل ہوئی ۔ اس دن جمعرات تھی ۔ پانچ ساعت دن گذر جانے کے بعد جبریل نازل ہوئے اور آنحضرت سے بولے : اے محمد ص ! اللہ نے آپ کو سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ :

"يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ"۔ اللہ تعالیٰ کا " وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ " کہنا واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ یا تو رسالت کا کام ختم ہوچکا ہے یا ختم ہونے کے قریب ہے اور صرف ایک اہم کام باقی رہ گیا ہے جس کے بغیر دین کی تکمیل نہیں ہوسکتی ۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی تاثر ملتا ہے کہ رسول اللہ ص کو یہ اندیشہ تھا کہ جب وہ اس اہم کام کی طرف لوگوں کو بلائیں گے تو لوگ ان کو جھٹلائیں گے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو تاخیر ک اجازت نہیں دی کیونکہ وقت موعود نزدیک تھا اور یہ اس کام کے لیے بہترین موقع تھا آپ کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ اصحاب موجود تھے جنہوں نے ابھی ایک ہفتہ پہلے آپ کے ساتھ حج کیا تھا ، ابھی تک ان کے قلوب مراسم حج کے نور سے معمور تھے ، انہیں یہ بھی یاد تھا کہ رسول اللہ ص نے انہیں اپنی وفات کے قریب ہونے کی خبر دی ہے ۔ آپ نے فرمایا تھا :

" لَعَلِّي لَا أَلْقَاكُمْ بَعْدَ عَامِي هَذَا وَيُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَبِّي وَأَدْعَى فَأُجِيبُ"۔

شاید اس سال کے بعد میں تم سے نہ مل سکوں ۔ وہ وقت قریب ہے جب پروردگار کا بلاوا آجائے گا اور مجھے جانا ہوگا ۔ اب وہ وقت قریب تھا جب لوگ اپنے اپنے گھروں کو جانے کے لیے منتشر ہونے والے تھے ۔ شاید پھر اتنے بڑے مجمع سے ملاقات کا موقع نہ مل سکے ۔ غدیر کئی راستوں کے سنگم پواقع تھا ۔ رسول اللہ کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ کسی طرح بھی ایسے سنہری موقع کو ہاتھ سے جانے دیں ۔ اور کیسے جانے دے سکتے تھے جب وحی آچکی تھی جس میں ایک کو ہاتھ سے جانے دیں ۔ اور کیسے جانے دے سکتے تھے جب وحی آچکی تھی جس میں ایک طرح کی تنبیہ بھی تھی اور کہا گیا تھا کہ آپ کی رسالت کا دارومدار اسی پیغام کو پہنچانے پر ہے ۔ اللہ سبحانہ نے آپ کو لوگوں کے شر سے بچانے کی ضمانت بھی دیدی تھی اور کہہ دیا تھا کہ تکذیب سے خوف کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ آپ سے پہلے بھی کتنے ہی رسول کو جھٹلائے جاچکے ہیں لیکن اس کی وجہ سے جو پیغام ان کو دیا گیا تھا وہ اس کو پہنچانے سے باز نہیں رہے ، اس لیے کہ رسول کا فریضہ ہی پہنچانا ہے ۔ "ما على الرسول إلا البلاغ" گو اللہ کو پہلے سے معلوم تھا کہ اکثر لوگ حق کو پسند نہیں کرتے (12)۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے : گو اللہ کو معلوم ہے کہ ان میں جھٹلانے والے ہیں (13)۔ جب بھی اللہ انہیں حجت قائم کیے بغیر چھوڑنے والا نہیں ۔ " لِيَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا " اس کے علاوہ آپ کے سامنے ان رسولوں کی مثال تھی جن کو ان کی قوموں نے جھٹلایا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

" وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ () وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ () وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ وَكَذَّبَ مُوسَى فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ "

اگر یہ لوگ تم کو جھٹلاتے ہیں تو کیا ہوا ، ان سے پہلے قوم نوح اور عاد و ثمود اور قوم ابراہیم ، قوم لوط اور اہل مدین بھی تو اپنے اپنے پیغمبروں کو جھٹلاچکے ہیں اور موسیٰ بھی تو جھٹلائے جا چکے ہیں ۔ چنانچہ پہلے تو میں کافروں کو مہلت دیتا رہا پھر میں نے انہیں پکڑ لیا ۔ سود یکھو میرا عذاب کیسا ہوا ۔ (سورہ حج ۔ آیت 42-44) اگر ہم تعصب اور اپنے مذہب کی جیت سے محبت کا خیال چھوڑ دیں تو یہ تشریح زیادہ سمجھ میں آنے والی

ہے اور اس آیت کے نزول سے پہلے اور بعد میں جو واقعات پیش آئے ان سے بھی زیادہ ہم آہنگ ہے ۔

علمائے اہلسنت کی ایک بڑی تعداد نے اس آیت کے امام علی ع کے تقرر کے بارے میں غدیر خم کے مقام پر نازل ہونے کی روایت بیان کی ہیں اور ان کو صحیح کہا ہے اور اس طرح اپنے شیعہ بھائیوں کے ساتھ اتفاق رائے کا مظاہرہ کیا ہے ۔ ہم مثال کے طور پر ذیل میں چند علمائے اہل سنت کا ذکر کرتے ہیں :

1:- حافظ ابو نعیم اصفہانی متوفی سنہ 430ھ نزول قرآن 2:- امام ابوالحسن واحدی نیشاپوری، متوفی سنہ 468ھ اسباب النزول صفحہ 150-3:- امام ابو اسحاق ثعلبی نیشاپوری، متوفی سنہ 427ھ تفسیر الکشف والبیان-4:- حافظ حاکم حسکانی حنفی شواہد التنزیل لقواعد المنفصل والتاویل جلد 1 صفحہ 187-5:- امام فخر الدین رازی شافعی متوفی سنہ 606ھ تفسیر کبیر جلد 12 صفحہ 50-6:- حافظ جلا الدین سیوطی شافعی سنہ 911ھ تفسیر الدر المنثور جلد 3 صفحہ 117-7:- مفتی شیخ محمد عبدہ سنہ 1323ھ تفسیر المنار جلد 2 صفحہ 86 و جلد 6 صفحہ 463-8:- حافظ ابو القاسم ابن عساکر شافعی سنہ 571ھ تاریخ دمشق جلد 2 صفحہ 86۔

9:- قاضی محمد بن علی شوکانی سنہ 1250ھ تفسیر فتح القدیر جلد 2 صفحہ 60-10:- ابن طلحہ شافعی سنہ 652ھ مطالب السؤل جلد 1 صفحہ 44-11:- حافظ سلیمان قندوزی حنفی سنہ 1294 ینابیع المودۃ صفحہ 120-12:- محمد عبدالکریم شہرستانی شافعی سنہ 548ھ الملل والنحل جلد 1 صفحہ 163۔

13:- نورالدین ابن الصباغ مالکی سنہ 855ھ الفصول المہمہ صفحہ 25-14:- حافظ محمد بن جریر طبری سنہ 310ھ کتاب الولایہ ۔ 15:- حافظ ابو سعید سجستانی سنہ 477ھ کتاب الولایہ ۔ 16:- بدر الدین ابن عینی حنفی سنہ 855ھ عمدۃ القاری فی شرح البخاری جلد 8 صفحہ 584-17:- سید عبدالوہاب البخاری سنہ 932ھ تفسیر القرآن ۔

18:- سید شہاب الدین آلوسی شافعی سنہ 1270ھ روح المعانی جلد 2 صفحہ 384۔

19:- شیخ الاسلام محمد بن ابراہیم حموی حنفی سنہ 722ھ فرائد السمطین جلد 1 صفحہ 185۔

20:- سید صدیق حسن خان فتح البیان فی مقاصد القرآن جلد 3 صفحہ 63۔ (15)

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب رسول اللہ ص کو حکم دیا گیا کہ جو کچھ آپ پر اترا ہے ایسے لوگوں تک پہنچا دیجیے تو اس پر آپ نے کیا کیا ؟

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے لوگوں کو ایک جگہ غدیر خم کے مقام پر جمع کیا اور ایک طویل اور نہایت بلیغ خطبہ دیا ۔ آپ کے گواہی مانگنے پر لوگوں نے گواہی دی کہ آپ کا ان پر خود ان سے زیادہ حق ہے ۔ اس پر آپ نے علی بن ابی طالب ع کا ہاتھ بلند کر کے کہا :-

"من کنت مولاه فهذا علیّ مولاه اللّٰهم وال من وّٰلاه وعاد من عاداه وانصر من نصره وخذل من خذله وأدّٰ الحقّ حیث ما دار"۔ (16)

میں جس کا مولا ہوں یہ علی بھی اس کے مولا ہیں ۔ خداوند! جو علی ع سے دوستی رکھے اس سے دوستی رکھ اور جو ان سے دشمنی رکھے تو بھ اس سے دشمنی رکھ ۔ جو ان کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو ان کا ساتھ چھوڑ دے تو بھی اس کا ساتھ

چھوڑ دے ۔ جس طرف علی ع کا رخ ہو اسی طرف حق کا رخ پھیر دے ۔

اس کے بعد آپ نے حضرت علی ع کو عمامہ پہنایا اور اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ علی ع کو امیرالمومنین ہوجانے کی مبارک باد دیں ۔ چنانچہ سب نے مبارک باد دی ۔ ابو بکر اور عمر نے بھی تبریک و تہنیت پیش کی اور

کہا : اے فرزند ابو طالب ع ! تمہیں امت کی پیشوائی مبارک ہو ۔ آج سے تم ہر مومن اور مومنہ کے مولا بن گئے (17)۔

اس تقریب تقریب کے اختتام پر یہ آیت نازل ہوئی :

"الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا"

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا ۔ (سورہ مائدہ ۔ آیت 3)

یہ شیعوں کا نظریہ ہے جو ان کے نزدیک مسلمات میں سے ہے اور جس کے متعلق ان کے یہاں دورائیں نہیں ہیں ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس واقعہ کا ذکر اہل سنت کے یہاں بھی موجود ہے ؟ ہم نہیں چاہتے کہ جانبداری سے کام لیں اور شیعوں کی باتوں میں آجائیں ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تنبیہ کی ہے :

"وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ"

کچھ لوگ ایسے ہیں جب وہ دنیا وی غرض سے باتیں کرتے ہیں تو ان کی باتیں آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہیں اور جو ان کے دل میں ہے وہ اللہ کو اس پر گواہ لاتے ہیں مگر (درحقیقت) وہ سخت جھگڑا لو ہیں ۔ (سورہ بقرہ ۔ آیت 204)

اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے پوری احتیاط سے کام لیں ، فریقین کے دلائل پر دیانت داری سے غور کریں اور ایسا کرتے ہوئے ہمارا مقصد اللہ کی رضا ہو ۔ رہا یہ سوال کہ کیا اس واقعہ کا ذکر اہل سنت کے یہاں بھی ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں ! بہت علمائے اہل سنت نے اس واقعے کے ہر مرحلے کا ذکر کیا ہے ۔ آپ کی خدمت میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں :

امام احمد بن حنبل نے زید بن ارقم کی حدیث نقل کی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے ساتھ ہم ایک وادی میں اترے جو وادی خم کے نام سے موسوم تھی ، رسول اللہ ص نے نماز کا حکم دیا ۔ چنانچہ ہم نے دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں نماز پڑھی اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا ۔ دھوپ سے بچاؤ کی غرض سے آپ کے لیے ایک درخت پر کپڑا پھیلا دیا گیا تھا ۔ رسول اللہ ص نے فرمایا : کیا تم نہیں جانتے کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ میرا تم پر خود تم سے زیادہ حق ہے ؟ لوگوں نے کہا : جی ہاں بے شک ! آپ نے کہا : "من كنت مولا فهذا علي مولا اللهم وال من وَّالاه وعاد من عاداه"

پس جس ک میں مولا ہوں ۔ اس کا علی ع بھی مولا ہیں ۔ بارالہا ! جو ان سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو ان سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ ۔۔۔۔۔۔ (18)

امام نسائی نے کتاب الخصائص میں زید بن ارقم سے روایت نقل کی ہے ۔ زید بن ارقم نے کہا : جب حجة الوداع سے واپس آتے ہوئے رسول اللہ ص غدیر خم کے مقام پر اترے تو آپ نے درختوں کے جھاڑ جھنکاڑ صاف کرنے کا حکم دیا ۔ پھر آپ نے کہا : "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا بلاوا آگیا اور میں جا رہا ہوں ۔ میں تمہارے درمیان دوگراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں ، ایک چیز دوسری چیز سے بڑی ہے ، کتاب اللہ اور میری عترت ! یعنی میرے اہلبیت ع ۔ دیکھو میرے بعد تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو ۔ یہ دونوں چیزیں حوض پر آنے تک ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گی ۔ " بیشک اللہ

میرا مولا ہے اور میں ہر مومن کا ولی ہوں ۔ پھر آپ نے علی ع کا ہاتھ پکڑ کر کہا : "من كنت وليه فهذا وليه اللهم وال من وَّالاه وعاد من عاداه"۔

جس کا میں ولی ہوں ، یہ بھی اس کے ولی ہیں ۔ اے اللہ ! جو علی ع سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو ان سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ ۔

ابو طفیل کہتے ہیں میں نے زید بن ارقم سے پوچھا : کیا تم نے خود رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ؟ زید نے کہا : جتنے لوگ بھی وہاں درختوں کے قریب تھے ، سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا (1)۔

حاکم نیشاپوری نے زید بن ارقم سے دو طریقوں سے یہ روایت بیان کی ہے اور ان دونوں طریقے علی شرط الشیخین (بخاری و مسلم) صحیح ہیں ۔ زید بن ارقم نے کہا کہ : جب رسول اللہ حجۃ الوداع سے واپسی میں غدیر خم کے مقام پر اترے ، آپ نے درختوں کے جھاڑ جھنکاڑ صاف کرنے کا حکم دیا ۔ صفائی کے بعد آپ نے فرمایا کہ : ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا بلاوا آگیا ہے اور میں جارہا ہوں مگر میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں ، ان میں ایک دوسری سے بڑی ہے ۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری عترت یعنی اہل بیت ع ۔ اب دیکھو تم میرے بعد ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہونگی یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر پہنچ جائیں گے ۔ اس کے بعد کہا : اللہ تعالیٰ میرا مولیٰ ہے اور میں ہر مومن کا مولیٰ ہوں ۔ پھر علی ع کا ہاتھ پکڑ کر کہا :

"من كنت مولاه فهذا وليه أَللّٰهُمَّ وال من وَّالاه وعاد من عاداه"

جس ک میں مولا ہوں ۔ اس کے یہ ولی ہیں ۔ اے خدا ! جو علی ع کو دوست رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو علی ع سے دشمنی

رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔ (20)

یہ حدیث مسلم نے بھی اپنی صحیح میں اپنی سند سے زید بن ارقم ہی کے حوالے سے بیان کی ہے لیکن مختصر کر کے ۔ زید بن ارقم نے کہا:

ایک دن رسول اللہ ص نے اس تالاب کے قریب خطبہ دیا جسے خم کہا جاتا ہے اور جو مکہ اور مدینے کے درمیان واقع ہے ۔ آپ نے حمد و ثنا اور وعظ و نصیحت کے بعد فرمایا کہ : لوگو! میں بھی انسان ہوں ، وہ وقت قریب ہے جب میرے پروردگار کا بلاوا آجائے اور میں چلا جاؤں ۔ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں ۔ پہلی چیز کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور نور ہے ۔ کتاب اللہ کا دامن پکڑلو اور اس سے چمٹے رہو ۔ آپ نے کتاب اللہ سے تعلق پر لوگوں کو اکسایا اور رغبت دلائی ۔ پھر کہا : دوسرے میرے اہل بیت ع ۔ میں اپنے اہل بیت ع کے بارے میں تمہیں اللہ کو یاد دلاتا ہوں ، میں اپنے اہل بیت ع کے بارے میں تمہیں اللہ کو یاد دلاتا ہوں ۔ (آپ نے زیادہ تاکید کے لیے تین بار کہا) (21)۔

اگر چہ امام مسلم نے واقعہ کو مختصر کر کے بیان کیا ہے اور پورا واقعہ بیان نہیں کیا لیکن بحمد اللہ اتنا بھی کافی و شافی ہے ۔ اختصار شاید زید بن ارقم نے خود کیا ہے ، کیونکہ وہ سیاسی حالات کی وجہ سے "حدیث غدیر" کو چھپانے پر مجبور تھے ۔ یہ بات سیاق حدیث سے معلوم ہوتی ہے کیونکہ راوی کہتا ہے کہ میں ، حصین بن سبرہ اور عمر بن مسلم ہم تینوں زید بن ارقم کے پاس گئے ، جب ہم بیٹھ گئے تو حصین نے زید سے کہا : آپ نے بڑے اچھے دن دیکھے ہیں ، آپ نے رسول اللہ ص کو دیکھا ہے ، آپ کی باتیں سنیں ، آپ کے ساتھ غزوات میں شرکت کی ، آپ کے پیچھے نماز پڑھی ، ہمیں بھی کچھ سنائیے جو آپ نے رسول اللہ ص سے سنا ہو ۔ زید نے کہا : بھتیجے ! میں بڈھا ہو گیا ہوں اور

میری عمر زیادہ ہو گئی ۔ رسول اللہ ص کی بعض باتیں جو مجھے یاد تھیں ، اب بھول گیا ہوں اس لیے میں جو کچھ سناؤں ، وہ سن لو اور جو نہ سناؤں وہ سن لو اور جو نہ سناؤں تو مجھے اس کے سنانے کی تکلیف نہ

دو ، اس کے بعد کہا : ایک دن رسول اللہ ص نے ہمیں اس تالاب کے قریب خطبہ دیا ، جسے خم کہا جاتا ہے ۔ الخ ۔ اس سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ حصین نے زید بن ارقم سے غدیر کے بارے میں دریافت کیا تھا اور یہ سوال دوسرے لوگوں کی موجودگی میں پوچھ کر زید کو مشکل میں ڈال دیا تھا ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زید کو معلوم تھا کہ اس سوال کا صاف جواب ایسی حکومت کے ہوتے ہوئے انہیں مشکلات میں مبتلا کرسکتا تھا ۔ جو لوگوں سے یہ کہتی ہو کہ علی بن ابی طالب ع پر لعنت کریں ۔ اسی لیے انہوں نے سائل سے معذرت کر لی تھی کہ ان کی عمر زیادہ ہوگئی ہے اور وہ بہت کچھ بھول گئے ہیں ۔ پھر انہوں نے حاضرین سے مزید کہا کہ جو کچھ میں سناؤں وہ سن لو اور جو نہ سنانا چاہوں اس کے سنانے کی تکلیف نہ دو ۔

اگر چہ خوف کے مارے زید بن ارقم نے واقعہ کو بہت مختصر کرکے بیان کیا ہے پھر بھی ، اللہ انہیں جزائے خیر دے انہوں نے بہت سے حقائق بیان کردیتے اور نام لیے بغیر " حدیث غدیر " کی طرف اشارہ بھی کردیا ۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ص نے ہمیں خطبہ دیا اس تالاب کے نزدیک جسے خم کہا جاتا ہے اور جو مکے اور مدینے کے درمیان واقع ہے ۔ اس کے بعد حضرت علی ع کی فضیلت بیان کی اور بتلایا کہ علی ع حدیث ثقلین کی رو سے کتاب اللہ کے ساتھ شریک ہیں ، لیکن یہاں بھی علی ع کا نام نہیں لیا اور یہ لوگوں کی ذہانت پر چھوڑ دیا کہ وہ خود نتیجہ نکال لیں ۔ کیونکہ یہ سب مسلمانوں کو معلوم ہے کہ علی ع ہی اہلبیت نبوت کے سردار ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود امام مسلم نے بھی حدیث کا وہی مطلب سمجھا جو ہم نے سمجھا ہے کیونکہ انہوں نے یہ حدیث باب فضائل علی بن ابی طالب ع میں بیان کی ہے حالانکہ حدیث میں علی بن ابی طالب ع کا نام تک نہیں ۔ طبرانی نے صحیح سند سے معجم کبیر میں زید بن ارقم اور حذیفہ بن اسید غفاری سے روایت بیان کی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے غدیر خم میں درختوں کے نیچے

خطبہ دیا ۔ آپ نے فرمایا : اب وقت آگیا ہے کہ میرا بلا آجائے اور میں چلا جاؤں ۔ میری بھی ذمہ داری ہے اور تمہاری بھی ذمہ داری ہے ۔ اب تم کیا کہتے ہو ؟ سب نے کہا : ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا اور کوشش کی اور ہمیں نصیحت کی ، اللہ آپ کو جزائے خیر دے ۔ آپ نے فرمایا " کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ص اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ۔ جنت حق ، دوزخ حق ہے ، موت حق ہے اور موت کے بعد زندہ ہونا برحق ہے ۔ قیامت ضرور آنے والی ہے اس میں کوئی اور اللہ قبر کے مردوں کو ضرور زندہ کرے گا " حاضرین نے کہا : جی ہاں ! ہم اس کی گواہی دیتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا : " اے اللہ تو اس کا گواہ رہنا " پھر فرمایا : " لوگو! اللہ میرا مولا ہے اور میں مومنین کا مولی ہوں ۔ میرا ان پر خود ان سے زیادہ حق ہے ۔ پس جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ (علی ع) بھی مولا ہیں ۔ اے اللہ ! جو ان سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو ان سے دشمنی رکھے تو بھ اس سے دشمنی رکھ " ۔ پھر فرمایا : میں تم سے آگے جارہا ہوں ، تم حوض پر ضرور آؤ گے ، حوض یہاں سے لے کر صنعاء تک کے فاصلے سے چوڑا ہے ۔ اس میں اتنے چاندی کے پیالے ہیں جتنے آسمان پر ستارے ، جب تم میرے پاس آؤ گے تو میں ثقلین کے بارے میں پوچھوں گا کہ تم نے میرے بعد ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا ۔ ثقل اکبر کتاب اللہ ہے ۔ یہ ایک ڈوری ہے جن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں ۔ اس لیے اسے مضبوط پکڑے رہنا ۔ نہ گمراہی اختیار کرنا اور نہ اپنی روش بدلنا ۔ ثقل اصغر میری عترت میرے اہل بیت ع ہیں ۔ خدائے لطیف وخبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ دونوں ختم نہیں ہوں گے جب تک میرے پاس حوض پر نہ آجائیں ۔ (22)

اسی طرح امام احمد بن حنبل نے براء بن عذاب سے دو طریقوں سے یہ روایت بیان کی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ص کے ساتھ تھے ۔ جب ہم غدیر پر اترے تو

موذن کو رسول اللہ ص نے پکار کر کہا: "الصلاة جامعة" (23) رسول اللہ ص کے لیے درختوں کے نیچے جگہ صاف کردی گئی۔ آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی پھر علی ع کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرا مومنین پر خود ان سے زیادہ حق ہے۔ سب نے کہا: جی ہاں معلوم ہے۔ آپ نے دوبارہ دریافت کیا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرا ہر مومن پر خود اس سے زیادہ حق ہے۔ سب نے اقرار کیا تب آپ نے علی ع کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "من كنت مولاه فهذا عليّ مولاه أَللّٰهُمَّ وال من وَّالاه وعاد من عاداه"

جس کا میں مولا ہوں، علی ع بھی اس کے مولا ہیں۔ اے اللہ! جو ان سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو ان سے دشمنی رکھے تو بھی ان سے دشمنی رکھ۔

اس کے بعد عمر جب علی ع سے ملے تو بولے: ابن ابی طالب مبارک ہو تم ہر مومن اور مومنہ کے مولا بن گئے (24)۔

خلاصہ یہ کہ جن محدثین کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کے علاوہ بھی سربرآوردہ علمائے اہل سنت نے حدیث غدیر کی روایت اپنی کتابوں میں بیان کی ہے، جیسے ترمذی، ابن ماجہ، ابن عساکر، ابن صباغ مالکی، ابن اثیر، ابن مغازلی، ابن حجر، ابو نعیم، سیوطی، خوارزمی، ہیثمی، سلیمان قندوزی، حموی، حاکم حسکانی اور امام غزالی، امام بخاری نے یہ روایت اپنی تاریخ میں بیان کی ہے۔

مختلف مسلک و مذاہب کے پہلی صدی سے چودھویں صدی ہجری تک کے ان علماء کی تعداد جنہوں نے اپنی کتابوں میں یہ روایت بیان کی ہے تین سو ساتھ سے

سے اوپر ہے۔ جو شخص مزید تحقیق کرنا چاہے وہ علامہ امینی کی کتاب الغدیر کا مطالعہ کرے (25)۔

کیا اس پر بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ "حدیث غدیر" شیعوں کی گھڑی ہوئی ہے؟ عجیب و غریب بات ہے یہ ہے کہ جب حدیث غدیر کا ذکر کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نے اس کا نام بھی نہیں سنا۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اس حدیث کے بعد بھی جس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے علمائے اہل سنت یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رسول اللہ ص نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا اور معاملہ شوریٰ پر چھوڑ دیا تھا۔

اللہ کے بندو! کیا خلافت سے متعلق اس سے بھی زیادہ صاف اور صریح کوئی حدیث ہوسکتی ہے؟ یہاں میں اپنی اس بحث کا ذکر کروں گا جو ایک دفعہ تیونس کی جامعہ زیتونہ کے ایک عالم سے ہوئی تھی۔ جب میں نے ان صاحب سے خلافت علی ع کے ثبوت میں حدیث غدیر کا ذکر کیا تو انہوں نے اس حدیث کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا لیکن ایک پیوند لگادیا۔ انہوں نے مجھے اپنی لکھی ہوئی قرآن کی تفسیر دکھائی، جس میں "حدیث غدیر کا ذکر تھا اور اس کو صحیح بھی تسلیم کیا تھا۔ لیکن اس کے بعد انہوں نے لکھا تھا: شیعوں کا خیال ہے کہ یہ حدیث سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر نص ہے لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ دعویٰ غلط ہے۔ کیونکہ یہ دعویٰ سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان ذوالنورین کی خلافت کے منافی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ حدیث میں جو لفظ مولیٰ آیا ہے اس کے معنی محب و مددگار کے لیے جائیں، جیسا کہ یہ لفظ ان معنوں میں قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی اس لفظ کے یہی معنی سمجھے ہیں۔ تابعین اور مسلمان علماء نے ان سے یہی معنی سیکھے ہیں اس لیے رافضی جو اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ خلفاء کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے اور صحابہ رسول ص پر لعن طعن کرتے ہیں۔ صرف یہی بات ان کے جھوٹے اور غلط دعوؤں کے بطلان کے لیے کافی ہے۔

میں نے ان عالم سے پوچھا - یہ بتلائیے کہ کیا واقعی یہ قصہ غدیر خم میں پیش آیا تھا ؟

انہوں نے جواب دیا : اگر پیش نہ آتا تو علماء - اور محدثین اسے کیوں بیان کرتے -

میں نے کہا : کیا یہ بات رسول اللہ ص کے شایان شان ہے کہ وہ جلتی ہوئی دھوپ میں اپنے اصحاب کو جمع کر کے طویل خطبہ صرف یہ کہنے کے لیے دیں کہ علی ع تمہارا محب و ناصر ہے - یہ تشریح آپ کی سمجھ میں آتی ہے ؟

کہنے لگے کہ بعض صحابہ نے علی ع کی شکایت کی تھی ، ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو علی ع سے بغض اور اختلاف رکھتے تھے - رسول اللہ ص نے اس بغض کے ازالے کے لیے فرمایا : علی ع تو تمہارا محب و ناصر ہے - مطلب یہ تھا کہ علی سے محبت رکھو بغض و عناد نہ رکھو -

میں نے کہا: اتنی سی بات کے لیے سب کو روکنے ، ان کے ساتھ نماز پڑھنے اور خطبے کو ان الفاظ سے شروع کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ : کیا میرا تم پر تم سے زیادہ حق نہیں ؟ " یہ آپ نے مولا کے معنی کی وضاحت کے لیے ہی تو کہا تھا - اگر جو آپ کہتے ہیں وہی صحیح ہے تو یہ بھی ہوسکتا تھا کہ جن لوگوں کو علی ع سے شکایت تھی آپ ان کو بلا کر کہہ دیتے کہ علی ع تو تمہارا دوست اور مدد گار ہے - بات ختم ہوجاتی - ایک لاکھ سے زیادہ مجمع کو دھوپ میں روکنے کی جس میں بڑھے اور عورتیں بھی شامل تھیں ، کیا ضرورت تھی ؟ کوئی ہوشمند تو یہ بات کبھی مان نہیں سکتا !

کہنے لگے : کیا کوئی ہوشمند یہ مان سکتا ہے کہ جو بات تم اور شیعہ سمجھ گئے وہ ایک لاکھ صحابہ نہ سمجھ سکے ؟

میں نے کہا : پہلی بات تو یہ ہے کہ ان میں صرف تھوڑے سے لوگ تھے جو مدینہ منورہ میں رہتے تھے - دوسرے ، وہ بالکل وہی سمجھے میں وار شیعہ سمجھے ہیں - جب ہی تو علماء راوی ہیں کہ ابو بکر اور عمریہ کہہ کر علی ع کو تبریک پیش کر رہے تھے کہ مبارک ہو ابن ابی طالب ! اب تم ہر مومن اور مومنہ کے مولا ہو گئے ہو ! کہنے لگے : پھر رسول اللہ ص کی وفات کے بعد انہوں نے علی ع کی بیعت کیوں نہیں کی ؟ کیا وہ نعوذ باللہ رسول اللہ ص کے حکم کی مخالفت اور حکم عدولی کر رہے تھے - میں نے کہا : علمائے اہل سنت اپنی کتابوں میں خود تسلیم کرتے ہیں کہ بعض صحابہ تو خود آپ کی زندگی اور آپ کی موجودگی ہی میں آپ کے حکام کی مخالفت کیا کرتے تھے - تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے اگر انہوں نے آپ کی وفات کے بعد آپ کے احکام پر عمل نہیں کیا - پھر جب صحابہ کی اکثریت اسامہ بن زید کو امیر لشکر بنانے پر ان کی کم عمری کی وجہ سے معترض تھی حالانکہ وہ محض محدود نوعیت کی قلیل المدت مہم تھی تو وہ علی ع کا نوعمری کے باوجود مدت العمر کے لیے خلیفہ اور حکمران بنایا جانا کیسے قبول کرسکتے تھے ؟ آپ خود کہہ رہے ہیں کہ بعض صحابہ علی ع سے بغض اور کینہ رکھتے تھے - گھبرا کر کہنے لگے : اگر علی کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ عنہ کو معلوم ہوتا کہ رسول اللہ ص نے انہیں خلیفہ نامزد کیا ہے ، تو وہ کبھی اپنا حق نہیں چھوڑ سکتے تھے اور نہ خاموشی اختیار کرسکتے تھے - وہ تو اتنے دلیر اور بہادر تھے کہ سب صحابہ ان سے ڈرتے تھے مگر وہ کسی سے خوف نہیں کھاتے تھے - میں نے کہا: حضرت ! یہ ایک الگ موضوع ہے ، میں اس میں الجھنا نہیں چاہتا کیونکہ آپ صحیح احادیث نبوی ہی کو نہیں مانتے بلکہ ناموس صحابہ کے تحفظ کے لیے ان کی تاویل کرتے اور ان کے کچھ کے کچھ معنی بیان کرتے ہیں - میں ایسے میں کیسے آپ یقین دلا سکوں گا کہ امام علی ع نے کیوں خاموشی اختیار کی اور خلافت پر اپنے حق کے لیے احتجاج نہیں کیا - وہ صاحب مسکرائے اور کہا : میں تو خود سیدنا علی ع کو سب سے افضل سمجھتا ہوں اور اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں صحابہ میں سے کسی کو بھی ان پر ترجیح نہ دیتا ،

کیونکہ وہ شہر علم کا دروازہ تھے ، شیر خدا تھے لیکن اللہ سبحانہ کی مشیت جس کو چاہتی ہے آگے بڑھاتی ہے اور جس کو چاہتی ہے پیچھے ہٹاتی ہے ۔ "لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ" (اللہ سے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ کیا کرتا ہے ہاں اللہ سب سے جواب طلب کرسکتا ہے)۔

اب مسکرانے کی میری باری تھی ۔ میں نے کہا : یہ بھی ایک دوسرا موضوع ہے اگر اس پر گفتگو شروع ہوئی تو تقدیر کی بحث چھڑ جائیگی جس پر ہم پہلے بات چیت کرچکے ہیں ۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دونوں اپنی اپنی رائے پر قائم رہے ۔

جناب والا! مجھے تعجب اس پر ہے کہ جب بھی میری گفتگو کسی سنی عالم سے ہوتی ہے اور میں اسے لاجواب کردیتا ہوں ، وہ فوراً ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف بھاگنا شروع کردیتا ہے اور اصل بات بیچ میں ہی رہ جاتی ہے ۔ وہ صاحب بولے : میں تو اپنی رائے پر قائم ہوں ، میں نے تو بات نہیں بدلی ۔ بہر حال میں ان سے رخصت ہوکر چلا آیا اور دیر تک سوچتا رہا کہ کیا وجہ ہے کہ مجھے اپنے علماء میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ملتا جو اس مٹرگشت میں آخر تک میرا ساتھ دے اور ہمارے یہاں کے محاورے کے مطابق دروازے کو اس کی ٹانگ پر کھڑا رکھے ۔

بعض سنی بات تو شروع کرتے ہیں لیکن جب اپنے اقوال کی دلیل پیش نہیں کرسکتے تو یہ کہہ کر بچ نکلنے کی کوشش کرتے ہیں کہ : "تِلْكَ أَمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ" وہ لوگ تھے جو گزر گئے ۔ ان کے اعمال ان کے ساتھ ، تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ۔

بعض لوگ کہتے ہیں : ہمیں گڑے مردے اکھیڑنے اور جھگڑے کھڑے کرنے سے کیا؟ اہم بات یہ ہے کہ شیعہ سنی دونوں ایک خدا کو مانتے ہیں ، ایک رسول کو مانتے ہیں ، انتا کافی ہے ۔

بعض تو مختصر بات کرتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں : صحابہ کے معاملے میں خدا سے

ڈرو ۔ "اب ایسے لوگوں کے ساتھ کسی علمی بحث کی گنجائش کہاں ۔ اور رجوع الی الحق کی کیا صورت ۔ حق سے ہٹ کر تو گمراہی ہی ہے ۔ ان لوگوں کو اس قرآنی اسلوب کی کیا خبر ، جس میں دلیل پیش کرنے کو کہا گیا ہے ۔ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ اگر تم سچھے ہو تو اپنی دلیل لاؤ)

اکمال دین کی آیت کا تعلق بھی خلافت سے ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ أَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا"

شیعوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت امام علی ع کے خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے تقرر کے بعد غدیر خم کے مقام پر نازل ہوئی ۔ یہ روایت ائمہ اہل بیت ع کی ہے ۔ اور اسی پر شیعہ امامت کو اصول دین میں شمار کرتے ہیں ۔

جن سنی علماء نے یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت غدیر خم میں امام علی ع کے تقرر کے بعد نازل ہوئی ، ان کی تعداد تو بہت ہے ۔ ہم مثال کے طور پر چند ناموں کا تذکرہ کرتے ہیں :

1:- ابن مغازلی شافعی مناقب علی بن ابی طالب ع صفحہ 19 ۔ متوفی سنہ 483ھ۔

2:- خطیب بغدادی ، تاریخ بغداد جلد 8 صفحہ 592 ۔ متوفی سنہ 463ھ۔

3:- ابن عساکر ، تاریخ دمشق جلد 2 صفحہ 75۔

4:- حافظ سیوطی ،تفسیر ،الاتقان جلد 1 صفحہ 5.13:- حافظ سیوطی، تفسیر الدر المنثور جلد 3 صفحہ 19.

6:- خوارزمی حنفی -مناقب امیر المومنین صفحہ 80 متوفی سنہ 568ھ۔

7:- سبط ابن جوزی تذکرۃ الخواص صفحہ 30 متوفی سنہ 654.

8:- حافظ ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم جلد 2 صفحہ 14 متوفی سنہ 774ھ۔9:- حافظ ابن کثیر البدایہ

والنہایہ جلد 3 صفحہ 312.

10:- آلوسی ،تفسیر روح المعانی جلد 6 صفحہ 55

11:- حافظ قندوزی حنفی ینابیع المودۃ صفحہ 12.115:- حافظ حسانی حنفی تفسیر شواہد التنزیل جلد 1

صفحہ 157 متوفی سنہ 490 ھ۔

اس سبب کے باوجود علمائے اہل سنت نے "عظمت صحابہ" کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا ہے کہ اس آیت کا نزول کسی اور موقع پر دکھایا جائے۔ کیونکہ اگر علمائے اہل سنت یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ آیت غدیر خم میں نازل ہوئی تھی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے ضمنی طور پر اس کا بھی اعتراف کر لیا کہ علی بن ابی طالب ع کی ولایت ہی وہ چیز تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے دین کو کامل کیا اور مسلمانوں پر اپنی نعمت تمام کی۔ اعتراف کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حضرت علی ع سے پہلے تین خلفاء کی خلافت ہوا بن کر اڑ جائے گی، صحابہ کی عدالت کی بنیاد ہل جائے گی۔ دبستان خلافت منہدم ہو جائیگا اور بہت سی احادیث اس طرح پگھل جائیں گی جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ اصحاب مذاہب غبار بن کر اڑ جائیں گے، بہت سے راز افشا ہوں گے اور عیب کھل جائیں گے۔ لیکن یہ ہونا ناممکن ہے کیونکہ معاملہ ایک بہت بڑے گروہ کے عقیدے کا ہے جس کی اپنی تاریخ ہے، اپنے علماء ہیں اور اپنے سربراہان ہیں اس لیے ممکن نہیں کہ ہو بخاری و مسلم جیسے لوگوں کی تکذیب کریں جن کی روایت کے مطابق یہ آیت عرفہ کی شام کو جمعہ کے دن نازل ہوئی۔ اس طرح پہلی روایات محض شیعوں کی خرافات بن جاتی ہیں جن کی کوئی بنیاد نہیں اور شیعوں کو مطعون کرنا صحابہ کو مطعون کرنے سے بہتر بن جاتا ہے، کیونکہ صحابہ تو معصوم عن الخطا ہیں (26)۔ اور کسی کو یہ حق نہیں کہ ان کے افعال و اقوال پر نکتہ چینی کرے۔ رہے شیعہ! وہ تو مجوسی ہیں، کافر ہیں، زندیق ہیں، ملحد ہیں، ان کے مذہب کا بانی عبداللہ بن سبا ہے، (27) جو یہودی تھا اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش کے مقصد سے حضرت عثمان کے عہد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ اس طرحی کی باتیں کر کے ان کو دھوکا دینا آسان ہے جن کی بچپن سے تربیت ہی "تقدس صحابہ" کے ماحول میں ہوتی ہو۔ (خواہ کسی صحابی نے رسول اللہ کو صرف ایک دفعہ ہی دیکھا ہو)۔ ہم کیسے لوگوں کو یقین دلائیں کہ شیعہ روایات محض شیعوں کی خرافات نہیں، بلکہ ائمہ اثنا عشر کی احادیث ہیں جن کی امامت نص رسول ص سے ثابت ہے۔ بات یہ ہے کہ قرن اول کی حکومتوں نے امام علی ع اور ان کی اولاد کے خلاف امت میں نفرت پھیلائی، یہاں تک کہ ان پر منبروں سے لعنت کی گئی اور "شیعان علی" کو قتل کیا گیا اور ان کے گھروں سے نکال دیا گیا۔ شیعوں کے خلاف نفرت پھیلانے کے لیے ڈس انفارمیشن سیل قائم کیا گیا اور طرح طرح کی افواہیں پھیلانی گئیں۔ شیعوں سے بے بنیاد قصے اور غلط عقائد منسوب کیے گئے۔ آج کل کی اصطلاح میں اس وقت شیعہ "حزب مخالف" تھے، اس لیے اس وقت کی حکومت شیعوں کو ختم کرنے والا الگ تھلگ کرنے میں کوشاں تھیں۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے کے مصنفین اور مورخین بھی شیعوں کو رافضی کہتے ہیں، ان کی تکفیر کرتے ہیں اور حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے شیعوں کا خون کرنا حلال قرار دیتے ہیں۔ جب اموی حکومت ختم ہو گئی اور عباسی حکومت برسر اقتدار آئی تو بعض مورخین اپنی ڈگر پر چلتے رہے جبکہ

بعض نے اہل بیت ع کی حقیقت کو پہچانا (28) اور انصاف کرنے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علی ع کا شمان بھی خلفائے راشدین " میں کرلیا گیا لیکن کسی کو یہ اعلان کرنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ خلافت پر سب سے زیادہ حق علی ع کا تھا۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اہل سنت کی صحاح میں بہت ہی کم فضائل علی ع کی روایات آئی ہیں اور جو آئی ہیں وہ بھی صرف وہی ہیں جو علی ع سے پہلے کے خلفاء کی خلافت سے کسی طرح متصادم نہیں ہیں۔ بعض نے تو کثیر تعداد میں ایسی روایات وضع کی ہیں جن میں خود علی ع کی زبان سے ابو بکر، عمر، عثمان کے فضائل بیان کیے گئے ہیں مقصد یہ کہ بزعم خویش کوشش یہ کی گئی ہے کہ شیعوں کا راستہ بند کردیا جائے جو علی ع کی افضلیت کے قائل ہیں۔

اپنی تحقیق کے دوران مجھ پر یہ بھی انکشاف ہوا کہ لوگوں کی شہرت اور عظمت کا اندازہ اس سے لگا یا جاتا تھا کہ وہ علی ابن ابی طالب ع کے ساتھ کس قدر بغض رکھتے ہیں۔ امویوں اور عباسیوں کی سرکار میں وہی مقرب تھے اور ان ہی کو بڑھایا جاتا تھا جنہوں نے امام علی ع کے خلاف یا تو جنگ کی تھی۔ یا تلوار یا زبان سے ان کی مخالفت کی تھی۔ چنانچہ بعض صحابہ کا درجہ بڑھایا جاتا تھا، بعض کا گھٹایا جاتا تھا۔ بعض شعراء پر انعام واکرام کی بارش ہوتی تھی اور بعض کو قتل کرادیا جاتا تھا۔ شاید ام المومنین عائشہ کی بھی یہ قدرومنزلت نہ ہوتی اگر انہیں علی ع سے بغض نہ ہوتا اور انہوں نے علی ع کے خلاف "جنگ جمل" نہ لڑی ہوتی۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ ہے کہ عباسیوں نے بخاری، مسلم اور امام مالک کو شہرت دی کیونکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں فضائل علی ع کی احادیث بہت کم نقل کی ہیں بلکہ ان کتابوں میں تو یہ تصریح بھی ہے کہ علی بن ابی طالب ع کو کوئی فضیلت اور فوقیت حاصل ہی نہیں تھی۔ بخاری نے تو اپنی صحیح میں ابن عمر سے روایت نقل کی ہے کہ: رسول اللہ ص کے زمانے میں ہم ابو بکر کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، پھر عمر کا درجہ تھا پھر عثمان کا، پھر باقی صحابہ میں ہم کسی کو دوسروں پر فوقیت نہیں دیتے تھے۔ (29) گویا بخاری کے نزدیک علی ع بھی دوسرے عام لوگوں کے برابر تھے۔ (پڑھیے اور سردھنیے!)

اسی طرح امت مسلمہ میں اور بھی فرقے ہیں جیسے معتزلہ اور خوارج وغیرہ۔ یہ بھی وہ نہیں کہتے جو شیعہ کہتے ہیں۔ کیونکہ علی اور اولاد علی ع کی امامت کی وجہ سے ان لوگوں کے لیے خلافت تک پہنچنے، عوام کی گردنوں پر سوار ہونے اور ان کی قسمت اور املاک سے کھیلنے کا راستہ مسدود ہو گیا تھا۔ بنی امیہ اور بنی عباس نے عہد صحابہ و تابعین میں کیا گل نہیں کھلائے اور آج تک حکمران کیا نہیں کرتے آرہے ہیں؟ اسی لیے حکمرانوں کو خواہ وہ وراثت کے ذریعے اقتدار تک پہنچے ہوں جیسے بادشاہ، خواہ وہ صدور ہوں جنہیں ان کی قوم نے منتخب کیا ہوا۔ انہیں خلافت اہل بیت ع کا عقیدہ ایک آنکھ نہیں بھاتا اور وہ اسے THEORACY یا ملاؤں کی حکومت کہہ کر اس کا مذاق اڑاتے ہیں جس کا شیعوں کے علاوہ کوئی قائل نہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ شیعہ اپنی حماقت سے مہدی منتظر کی امامت کے بھی قائل ہیں، جو عنقریب زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جیسے وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہے۔

اب ہم دوبارہ سکون اور غیر جانبداری کے ساتھ فریقین کے اقوال پر غور کرتے ہیں کہ تاکہ یہ تصفیہ ہوسکے کہ آیت اکمال کسی موقع پر نازل ہوئی تھی۔ اور اس کی شان نزول کیا ہے تاکہ حق واضح ہوجائے اور ہم اس کی پروا کیے بغیر کہ کون خوش ہوتا ہے اور کون ناراض حق کا اتباع کرسکیں۔ اصل اور سب سے ضروری بات رضائے الہی کا حصول ہے تاکہ اس کے عذاب سے اس دن بچ سکیں جب نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد۔ کام آئے گا تو قلب سلیم۔

یہ دعویٰ کہ آیت اكمال عرفہ کے دن نازل ہوئی ۔

صحیح بخاری میں طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ کچھ یہودی کہتے تھے کہ اگر آیت ہماری قوم پر نازل ہوئی ہوتی تم ہم اس دن کو اپنی عید بنالیتے ۔ عمر نے پوچھا کون سی آیت ان لوگوں نے کہا " الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ " الخ (30)

عمر نے کہا : میں خوب جانتا ہوں کہ یہ آیت کہاں نازل ہوئی تھی ۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ص عرفہ کے دن وقوف فرما رہے تھے ۔

ابن جریر نے عیسیٰ بن حارثہ انہاری سے روایت کی ہے کہ ہم دیوان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عیسائی نے ہم سے کہا : " تم پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے کہ اگر ہم پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس دن اور اس ساعت کو عید بنالیتے اور جب تک کوئی دو عیسائی بھی باقی رہتے ہمیشہ عید منایا کرتے ۔ یہ آیت " الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ " ہے ۔ ہم میں سے کسی نے اسے کوئی جواب نہیں دیا بعد میں جب محمد بن کعب قرطنی سے ملا تو ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا : " کیا تم نے عیسائیوں کی بات کو جواب نہیں دیا ؟ " پھر اسی سلسلے میں کہا کہ عمر بن خطاب کہتے تھے کہ جب یہ آیت رسول اللہ ص پر اتری وہ عرفہ کے دن جبل عرفات پر کھڑے ہوئے تھے ۔ یہ دن مسلمانوں کی عید رہیگا ہی جب تک کوئی ایک مسلمان باقی ہے (31)۔

راوی کہتا ہے کہ " ہم میں سے کسی نے اسے جواب نہیں دیا " اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ نہ کسی کو وہ تاریخ یاد تھی کہ جس تاریخ کو یہ آیت اتری اور نہ اس دن کی عظمت سے واقف تھے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راوی کو خود بھی اس پر حیرت ہوئی تھی کہ کیا بات ہے کہ مسلمان ایسے اہم دن کو نہیں مناتے ۔ اسی لیے وہ جاکر محمد بن کعب قرطنی سے ملتا ہے اور ان سے دریافت کرتا ہے ۔ محمد بن کعب قرطنی اسے بتلاتے ہیں کہ عمر بن خطاب کہتے ہیں کہ " یہ آیت اس وقت اتری جب عرفہ کے دن رسول اللہ ص جبل عرفات پر کھڑے تھے " تو اگر وہ دن بطور عید کے مسلمانوں میں معروف ہوتا تو راوی حضرات خواہ وہ صحابہ میں سے تھے یا تابعین میں سے اس سے ناواقف کیوں ہوتے ۔ ان کے نزدیک مسلم اور مشہور بات یہی تھی کہ مسلمانوں کی عیدیں دو ہیں : ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحیٰ ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بخاری و مسلم جیسے علماء اور محدثین نے بھی اپنی کتابوں میں

" کتاب العیدین صلاة العیدین اور خطبة العیدین " وغیرہ کے عنوان باندھے ہیں ۔ خاص و عام کے نزدیک مسلمہ امر یہی ہے کہ تیسری عید کا وجود نہیں ۔ اس لیے یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ یوم عرفہ ان کے نزدیک عید نہیں ہے ۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ان روایات سے ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اس کا علم نہیں تھا کہ یہ آیت کب نازل ہوئی اور وہ اس دن کو نہیں مناتے تھے اس لیے ایک دفعہ یہودیوں کو اور دوسری دفعہ عیسائیوں کو یہ خیال آیا کہ وہ مسلمانوں سے کہیں کہ اگر یہ آیت ہمارے یہاں نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس دن کو عید قرار دیتے ۔ اس پر عمر بن خطاب نے پوچھا کہ کونسی آیت ؟ جب ان کو بتایا گیا کہ " الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ " والی آیت تو انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت کہاں نازل ہوئی ، جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ص عرفہ کے دن میدان عرفات میں تھے ۔ ہمیں اس روایت میں مغالطہ دینے کی بو آتی ہے ۔ کیونکہ جن لوگوں نے امام بخاری کے زمانے میں عمر بن خطاب کی زبانی یہ روایت وضع کی وہ یہود و نصاریٰ کی اس رائے کے درمیان کہ ایسے عظیم دن کو عید کی طرح منانا چاہیے اور اپنے اس عمل کے درمیان کہ انہیں اس آیت کے نزول کی تاریخ بھی معلوم نہیں تھی ، ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتے تھے ۔ ان کے یہاں دو ہی عیدیں تھی :- پہلی عید الفطر جو ماہ

رمضان کے اختتام پر یکم شوال کو ہوتی ہے اور دوسری عید الاضحیٰ جو دہم ذوالحجہ کو ہوتی ہے ۔
یہاں یہ کہنا کافی ہے کہ حجاج بیت اللہ الحرام اس وقت تک احرام نہیں کھولتے جب تک جمرہ عقبہ کی رمی ، قربانی ، اور سرمنڈانے کے بعد طواف افاضہ نہ کرلیں ۔ اور یہ سب کام دس ذی الحجہ کو ہوتے ہیں ۔ دس تاریخ ہی کو وہ عید کی ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں ۔ حج میں احرام ایسا ہی ہے جیسے رمضان ، جس میں روزہ دار پر متعدد چیزیں حرام ہوجاتی ہیں اور وہ چیزیں عید الفطر ہی سے حلال ہوتی ہیں ۔ اسی طرح حج میں محرم دس ذی الحجہ کو طواف افاضہ کے بعد ہی احرام کھولتا ہے اور اس سے پہلے اس کے لیے جماع ، خوشبو ، زینت سلے ہوئے کپڑے ، شکار اور ناخن اور بال کاٹنے میں سے کوئی حلال نہیں ہوتی ۔

اس سے معلوم ہوا کہ یوم عرفہ جو ذی الحجہ کی نویں تاریخ ہے ، عید کا دن نہیں ہے ۔ عید کا دن دسویں ذی الحجہ ہے اور اسی دن مسلمان ساری دنیا میں عیدمناتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ قول کہ آیت اكمال عرفہ کے دن نازل ہوئی تھی ناقابل فہم اور ناقابل تسلیم ہے ۔ ظن غالب یہ ہے کہ جو لوگ خلافت میں شوری کے اصول کے بانی اور اس نظریہ کے قائل تھے ، انہوں نے ہی اس آیت کے نزول کی تاریخ بھی بدل دی جو دراصل غدیر خم میں امام علی ع کی ولایت کے اعلان کے فوراً بعد تھی ، اس تاریخ کو یوم عرفہ سے بدل دینا آسان تھا ، کیونکہ غدیر کے دن بھی ایک لاکھ یا اس سے کچھ اوپر حاجی ایک جگہ جمع ہوئے تھے ۔

یوم عرفہ اور یوم غدیر میں ایک خاص مناسبت ہے کیونکہ حجة الوداع کے زمانے میں ان ہی دو موقعوں پر اتنے حاجی ایک جگہ جمع ہوئے تھے ۔ یہ تو معلوم ہی ہے کہ ایام حج میں حاجی متفرق طور پر ادھر ادھر رہتے ہیں ، صرف عرفہ ہی کا دن ایسا ہوتا ہے کہ جب حاجی ایک جگہ جمع ہوتے ہیں ۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی ہو کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ص کے اس مشہور خطبے کے فوراً بعد نازل ہوئی جسے محدثین نے خطبة الحجة الوداع کے عنوان سے نقل کیا ہے ۔ یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ اس آیت کے نزول کی تاریخ خود عمر ہی نے یوم عرفہ قرار دی ہو کیونکہ خلافت علی ع کے سب سے بڑے مخالف وہی تھے اور انہوں نے ہی سقیفہ میں ابو بکر کی بیعت کی بنیاد قائم کی تھی ۔

اس خیال کی صحت کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن جریر نے قبیصہ بن ابی ذؤیب سے روایت کی ہے ۔ قبیصہ کہتے ہیں کہ کعب نے کہا تھا کہ اگر یہ آیت کسی اور امت پر نازل ہوئی ہوتی تو وہ اس دن کو جب یہ نازل ہوئی تھی یاد رکھتے اور عید قرار دے لیتے اور اس دن سب جمع ہوا کرتے ۔ عمر نے سنا تو کعب سے پوچھا : کون سی آیت ؟ کعب نے کہا : " الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ " عمر نے کہا : مجھے معلوم ہے ، یہ آیت کب نازل ہوئی تھی اور وہ جگہ بھی معلوم ہے جہاں یہ نازل ہوئی تھی ۔ یہ جمعہ کے دن نازل ہوئی تھی اور اس دن عرفہ تھا ۔ یہ دونوں دن اللہ کے فضل سے ہمارے لیے عید ہیں ۔ (32)

دوسری بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ آیہ اكمال عرفہ کے دن نازل ہوئی ، آیہ تبلیغ " يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ " کے منافی ہے ۔ آیہ تبلیغ میں رسول اللہ ص کو ایک اہم پیغام پہنچانے کا حکم دیا گیا جس کے بغیر کار رسالت مکمل نہیں ہوسکتا ۔ اس آیت کے بارے میں بحث گزرچکی اور بتایا جاچکا کہ یہ آیت حجة الوداع کے بعد مکے اور مدینے کے درمیان راستے میں نازل ہوئی تھی ۔ یہ روایت ایک سو بیس سے زیادہ صحابہ اور تین سوساٹھ سے زیادہ علمائے اہل سنت نے بیان کی ہے ، پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو مکمل اور نعمت کو تمام تو کردیا ہو بروز عرفہ اور پھر ایک ہفتے کے بعد اپنے نبی کو جب وہ مدینے جارہے تھے کسی ایسی اہم بات کو پہنچادینے کا حکم دیا ہو جس کے بغیر رسالت ناتمام رہتی ہو ۔ اسے ارباب عقل و دانش ذرا سوچو یہ بات کیسے صحیح ہوسکتی ہے !؟

تیسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی جویائے تحقیق اس خطبے کو جو رسول اللہ ص نے عرفہ کے دن دیا ، غور سے دیکھے گا تو اسے اس خطبے میں کوئی نئی چیز نہیں ملے گی ، جس سے مسلمان اس سے بیشتر ناواقف تھے اور جس کے متعلق خیال کیا جاسکے کہ اس سے اللہ نے دین کو کامل اور نعمت کو تمام کر دیا ۔ اس خطبے میں وہی نصحیتیں ہیں جن کو قرآن کریم یا رسول اللہ ص مختلف موقعوں پر پہلے بھی بیان کرچکے تھے اور عرفہ کے دن ان پر مزید زور دیا گیا تھا ۔ اس خطبے میں جو کچھ آیا ہے اور جسے راویوں نے محفوظ کیا ہے ، وہ حسب ذیل ہے :

- اللہ نے تمہاری جانوں اور تمہارے اموال کو اسی طرح محترم قرار دیا ہے جیسا کہ اس مہینے اور آج کے دن کو ۔
- اللہ سے ڈرو! لوگوں کو ان کے واجبات ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرو اور زمین میں ازراہ شرارت فساد نہ پھیلاؤ ۔
جس کے پاس امانت ہو ، وہ صاحب امانت کو لوٹا دے ۔

- اسلام میں سب برابر ہیں ۔ عربی کو عجمی پر بجز تقویٰ کے کوئی فضیلت نہیں ۔
- جاہلیت میں جو خون ہوا اب وہ میرے پاؤں تلے اور جاہلیت کا جو سود تھا وہ بھی میرے پاؤں تلے (یعنی زمانہ جاہلیت میں جو خون ہوا اس کا انتقام نہیں لیا جائے گا اور جو قرض دیا گیا ہے اس پر سود کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا)۔

- لوگو! لونڈ (33) کا رواج کفر کو بڑھانا ہے ۔ آج زمانہ پھر وہیں پہنچ گیا ہے جہاں سے چلا تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا ۔

- اللہ کے نزدیک ، اس کی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے جن میں سے چار حرام ہیں ۔
- میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا ۔ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے پر لیا ہے ۔ اور تم نے کتاب اللہ کے حکم کے مطابق ان کی شرمگاہیں اپنے لیے حلال کی ہیں ۔
- میں تمہیں تمہارے مملوک غلام ، باندیوں کے بارے میں نصیحت کرتا ہوں ، جو خود کھاؤ اسی میں سے ان کو کھلاؤ اور جو پہنو اسی میں سے ان کو پہناؤ ۔

- مسلمان ، مسلمان کا بھائی ہے ۔ اسے دھوکا نہ دے ، اس سے دغا نہ کرے ، اس کی غیبت نہ کرے ۔ کسی مسلمان کا خون اور اس کے مال میں سے کچھ بھی دوسرے مسلمان کے لیے حلال نہیں ۔
- آج کے بعد شیطان اس سے ناامید ہو گیا ہے کہ اس کی پوجا کی جائے گی ، لیکن اپنے دوسرے معاملات میں جنہیں تم معمولی سمجھتے ہو اس کی بات مانی جائے گی ۔

- اللہ کا بدترین دشمن وہ ہے جو اس کو قتل کرے جس نے اسے قتل نہ کیا ہو اور اسے مارے جس نے اسے مارا نہ ہو ۔ جس نے آقا کا کفران کیا اس نے گویا جو اللہ نے محمد ص پر اتارا ہے اس کو ماننے سے انکار کیا ۔ جس نے اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی اور اسے اپنے آپ کو منسوب کی تو اس پر لعنت اللہ کی فرشتوں کی اور سب انسانوں کی ۔

- مجھے لوگوں سے اس وقت تک قتال کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ یہ نہ کہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ نہ تسلیم کریں کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۔ اگر وہ یہ کہہ دیں تو میری طرف سے ان کی جان اور ان کا مال محفوظ ہوں گے سوائے اس کے کہ جو اللہ کے قانون کے مطابق ہو ۔ اور ان کا فیصلہ اللہ پر ہے ۔
- میرے بعد دوبارہ کافر اور گمراہ نہ ہوجانا ۔ ایسا نہ ہو کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

یہ ہے وہ سب کچھ جو حجة الوداع کے موقع پر خطبہ عرفہ میں کہا گیا تھا ۔ میں نے اس کے مختلف ٹکڑے تمام قابل اعتماد مآخذ سے جمع کیے ہیں تاکہ کچھ چھوٹ نہ جائے میں نے رسول اللہ ص کی وہ سب ہدایات جن کا

محدثین نے ذکر کیا ہے جوں کی توں نقل کردی ہیں۔ اب دیکھئے ! کیا ان میں صحابہ کے لیے کوئی نئی بات ہے ؟ بالکل نہیں۔ کیونکہ جو کچھ اس خطبے میں ہے۔ وہ قرآن و سنت میں پہلے ہی مذکور ہے۔ رسول اللہ ص کی پوری عمروحی کے مطابق ہر چھوٹی بڑی بات کی تعلیم لوگوں کو دیتے گزری تھی۔ ان ہدایات کے بعد جن کو مسلمان پہلے سے جانتے تھے ، آیہ اكمال الدین کے نزول کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ ان ہدایات کا اعادہ تو محض تاکید کے لیے تھا کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں رسول اللہ ص کی خدمت میں جمع ہوئے تھے۔ رسول اللہ ص نے حج کے لیے نکلنے سے پہلے ان کو بتلا دیا تھا کہ یہ حجة الوداع ہے۔ اس لیے آنحضرت کے لیے ضروری تھا کہ وہ یہ ہدایات سب مسلمانوں کو سنادیں۔

لیکن اگر ہم دوسرے قول کو قبول کرلیں جس کے مطابق یہ آیت غدير خم کے دن اس وقت نازل ہوئی جب امام علی ع کو خلیفہ رسول اور امیرا المومنین مقرر کردیا گیا تو اس صورت میں معنی بالکل صحیح ہوجاتے ہیں کیونکہ اس کا فیصلہ کہ رسول اللہ ص کے بعد ان کا خلیفہ اور جانشین کون ہوگا ، نہایت اہم معاملہ تھا اور یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یوں ہی چھوڑ دے۔ اور نہ یہ رسول اللہ ص کی شان کے مناسب تھا کہ وہ کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کیے بغیر دنیا سے چلے جائیں اور اپنی امت کو بغیر کسی نگران کے چھوڑ جائیں جب کہ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جب بھی آپ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے ، کسی صحابی کو اپنا جانشین مقرر کرکے جاتے تھے۔ پھر ہم یہ کیسے مان لیں کہ آپ رفیق اعلیٰ سے جاملے اور آپ نے خلافت کے بارے میں کچھ سوچا ؟

جب کہ ہمارے زمانے میں بے دین بھی اس قاعدے کو تسلیم کرتے ہیں اور سربراہ مملکت کا جانشین اس کی زندگی ہی میں مقرر کردیتے ہیں تاکہ حکومت کا انتقام چلتا رہے اور لوگ ایک دن بھی سربراہ کے بغیر نہ رہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ دین اسلام جو سب ادیان میں کامل ترین اور سب سے جامع ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام شریعتوں کو ختم کیا ہے اور جس سے زیادہ ترقی یافتہ ، جس سے کا مل تر ، جس سے عظیم تر اور جس سے خوب تر کوئی دین نہیں ہے ، اتنے اہم معاملے کی طرف توجہ نہ دے ، ہم یہ پہلے دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عائشہ ، ابن عمر اور ان سے پہلے خود ابوبکر اور عمر بھی یہ محسوس کرچکے تھے کہ فتنہ و فساد کو روکنے کے لیے خلیفہ کا تعین ضروری ہے۔ اسی مصلحت کی وجہ سے ان کے بعد آنے والے سب خلفاء بھی اپنا جانشین مقرر کرتے رہے۔ پھر یہ مصلحت اللہ اور اس کے رسول ص سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی تھی ؟؟؟

اسی کے مطابق یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جب وہ حجة الوداع سے واپس آرہے تھے ، آیہ تبلیغ کے ذریعے وحی بھیجی تھی کہ علی ع کو اپنا خلیفہ مقرر کردیں : " يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ " الخ اس سے معلوم ہوا ، دین کی تکمیل امامت یعنی ولایت پر موقوف ہے جو

عقلاء کے نزدیک ایک ضروری چیز ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علی وآلہ وسلم کو لوگوں کی مخالفت یا تکذیب کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

" جبرئیل نے مجھے میرے پروردگار کا یہ حکم پہنچایا ہے کہ میں اس مجمع میں کھڑے ہوکر گورے کالے کے سامنے یہ اعلان کردوں کہ علی بن ابی طالب ع میرے بھائی ، میرے وصی اور میرے خلیفہ ہیں اور وہی میرے بعد امت کے امام ہوں گے چونکہ میں جانتا تھا کہ متقی کم اور موذی زیادہ ہیں اور لوگ مجھ پر نکتہ چینی بھی کرتے تھے کہ میں زیادہ وقت علی ع کے ساتھ گزارتا ہوں اور ان ک و پسند کرتا ہوں اور اسی وجہ سے انہوں نے میرا نام " اذن " (کانوں کا کچا) رکھ دیا تھا۔ قرآن شریف میں ہے - " وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ "

قُلْ اُذُنْ خَيْرٌ لَّكُمْ " (سورہ توبہ - آیت 61) اگر چاہوں تو میں ان لوگوں کے نام بھی بتلا سکتا ہوں - مگر میں نے اپنی فرخندگی سے ان کے ناموں پر پردہ ڈال رکھا ہے - ان وجوہ سے میں نے جبرئیل سے کہا کہ میرے پروردگار سے کہہ دیں کہ مجھے اس فرض کی بجاآوری سے معافی دیدے مگر اللہ نے میری معذرت قبول نہ کی اور کہا کہ یہ پیغام پہنچانا ضروری ہے - پس لوگو سنو! اللہ تعالیٰ نے تمہارا ایک ولی اور امام مقرر کر دیا ہے اور اس کی اطاعت تم میں سے ہر ایک پر فرض کر دی ہے ۔۔۔۔۔۔(34)۔

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "وَاللّٰهُ يَعْصِيْكُمْ مِّنَ النَّاسِ" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر کسی تاخیر کے اسی وقت اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل

کی اور اپنے بعد علی ع کو خلیفہ مقرر کر دیا۔ آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ علی علیہ السلام کو امیر المومنین مقرر ہونے پر مبارک باد دیں - چنانچہ سب نے انہیں تبریک پیش کی۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی : "الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ" الخ - یہی نہیں ، بعض علمائے اہل سنت خود اعتراف کرتے ہیں کہ آیہ تبلیغ امام علی ع کی امامت کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے - چنانچہ انہوں نے ابن مردویہ سے روایت کی ہے - ابن مردویہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود کہتے تھے کہ ہم رسول اللہ ص کے زمانے میں اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے :-
يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِيْكُمْ مِّنَ النَّاسِ" (35)۔

اس کے ساتھ اگر ہم ان شیعہ روایات کا بھی اضافہ کر دیں جو ہو ائمہ اہلبیت ع سے روایت کرتے ہیں تو یہ واضح ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو امامت سے مکمل کیا اور یہی وجہ ہے کہ شیعوں کے نزدیک امامت اصول دین میں شامل ہے - علی ابن ابی طالب ع کی امامت سے ہی اللہ نے اپنی نعمت مسلمانوں پر تمام کی تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی ان کی خبر گیری کرنے والا نہ ہو اور وہ خواہشات کی آماجگاہ بن جائیں ، فتنے ان میں تفرقہ ڈال دیں اور وہ بھیڑوں کا ایسا گلہ رہ جاتیں جن کا کوئی رکھوالا اور چرواہا نہ ہو -

اللہ نے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا ، کیونکہ اس نے ان کے لیے ایسے ائمہ کو منتخب کیا جو ہر برائی اور گندگی سے پاک تھے - اس نے ان اماموں کو حکمت و دانائی عطا کی اور انہیں کتاب اللہ کے علم کا وارث بنایا تاکہ وہ خاتم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی بن سکیں - اس لیے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ کے حکم اور اس کے فیصلے پر راضی رہیں اور اس کی مرضی کے سامنے سرتسلیم خم کر دیں - اس لیے کہ اسلام کا عام مفہوم ہی اللہ کے ہر حکم کو تسلیم کرنا اور اس کی مکمل اطاعت کرنا ہے - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

"وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ () وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ () وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ()"

تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے پسند کرتا ہے - لوگوں کو پسند کا کوئی حق نہیں - یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں اللہ سے پاک اور برتر ہے - اور ان کے دلوں میں جو کچھ پوشیدہ ہے اور جو کچھ یہ لوگ ظاہر کرتے ہیں تمہارا پروردگار اس کو جانتا ہے - اللہ وہی ہے ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے سب تعریف اسی کی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی - اور حکومت بھی اسی کی ہے اور تم اسی کی طرف لوٹا ئے جاؤ گے - (سورہ قصص - آیات 68-70)

ان تمام باتوں سے سمجھ میں یہی آتا ہے کہ رسول اللہ ص نے یوم غدیر کو عید کا دن قرار دیا تھا - امام علی ع کو خلافت کے لیے نامزد کرنے کے بعد جب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی : "الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ" تو آپ نے کہا : اللہ کا شکر ہے کہ دین مکمل ہو گیا اور نعمت پوری ہو گئی - اللہ نے میری رسالت اور میرے بعد علی بن ابی

طالب کی ولایت کو پسند کیا (36)۔ پھر آپ نے علی ع کے لیے تقریب تبریک منعقد کی خود رسول اللہ ص ایک خیمہ میں رونق افروز ہوئے اور علی کو اپنے برابر بٹھایا اور سب مسلمانوں کو حکم دیا - ان میں آپ کی ازواج ، امہات المومنین بھی شامل تھیں کہ گروہ درگروہ علی ع کے پاس جا کر انہیں امامت کی مبارکباد دیں اور امیر المومنین کی حیثیت سے انہیں سلام کریں - چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا - اس موقع پر امیر المومنین علی ابن ابی طالب ع

کو مبارک باد دینے والوں میں ابو بکر اور عمر بھی شامل تھے ، وہ یہ کہتے ہوئے آئے :

"بِخٍ بَخٍ لَكَ يَا ابْنَ أَبِي طَالِبٍ أَصْبَحْتَ وَأَمْسَيْتَ مَوْلَانَا وَمَوْلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ." (37)

جب شاعر رسول حسان بن ثابت نے دیکھا کہ رسول اللہ ص اس موقع پر بہت خوش اور شاداں و فرحاں ہیں تو انہوں نے آنحضرت ص سے عرض کیا : یا رسول اللہ ! میں آپ کی اجازت سے اس موقع پر چند اشعار عرض کرنا چاہتا ہوں - آپ نے فرمایا : ضرور سناؤ - حسان ! جب تک تم زبان سے ہماری مدد کرتے رہو گے تمہیں روح القدس کی تائید حاصل رہے گی -

حسان سے شعر سنانے شروع کیے -

"يناديهم يوم الغدير نبّهم
بخمّ فاسمع بالرسول مناديا

(غدير کے دن خم کے مقام پر مسلمانوں کے پیغمبر مسلمانوں کو پکار رہے ہیں ، سنو ! رسول ص کیا کہہ رہے ہیں)

اس کے علاوہ اور بھی اشعار تھے جن کو مورخین نے نقل کیا ہے (38)۔ اس سب کے باوجود قریش نے چاہا کہ خلافت ان کے پاس رہے اور بنی ہاشم کے یہاں خلافت اور نبوت دونوں جمع نہ ہونے پائیں تاکہ بنی ہاشم کو شیخی بگھارنے کا موقع نہ مل سکے - اس کی تصریح خود حضرت عمر نے عبداللہ بن عباس سے ایک دفعہ گفتگو کرتے ہوئے کی (39)۔

اس لیے پھر کیس کی مجال نہیں ہوئی کہ پہلی تقریب کے بعد جو رسول اللہ ص نے خود منعقد کی تھی ، کوئی عید غدیر کا جشن منائے۔

جب لوگ نص خلافت ہی کو بھول گئے جسے ابھی دوہی مہینے ہوئے تھے تو غدیر کے واقعہ کی یاد مناتا جسے ایک سال ہوچکا تھا - اسے کے علاوہ یہ عید تو نص خلافت سے منسلک تھی - جب وہ نص ہی باقی نہ رہی تو عید منانے کی وجہ ہی ختم ہوگئی - اسی طرح سالہا سال گزر گئے ، یہاں تک کہ ربع صدی کے بعد امام علی ع نے اسے دوبارہ اس وقت زندہ کیا جب آپ نے اپنے عہد خلافت میں ان صحابہ سے جو غدیر خم میں موجود تھے ، کہا کہ وہ کھڑے ہو کر سب کے سامنے بیعت خلافت کی گواہی دیں ، تیس صحابیوں نے گواہی دی جن میں سے سولہ بدری صحابہ تھے (40) - ایک انس بن مالک نے کہا کہ "مجھے یاد نہیں " انہیں وہیں برص کی بیماری ہوگئی - وہ روتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے عبد صالح علی بن ابی طالب کی بد دعا لگ گئی (41)۔

اس طرح امام علی ع نے اس امت پر حجّت قائم کردی - اس وقت سے آج تک شیعہ یوم غدیر کی یاد مناتے رہتے ہیں اور تاقیام قیامت مناتے رہیں گے - یہ دن شیعوں کے نزدیک عید اکبر ہے اور کیوں نہ ہو ! جب اس دن اللہ نے دین کو ہمارے لیے کامل کیا اور اس دن نعمت تمام کی اور اسلام کو بطور ایک دین کے ہمارے پسند کیا - یہ اللہ ، اس کے رسول اور مومنین کی نظر میں ایک عظیم الشان دن ہے - بعض علمائے اہل سنت نے ابو ہریرہ سے

روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ص نے علی ع کا ہاتھ پکڑ کر کہا " من كنت مولاه فهذا عليّ مولاه " الخ تو اللہ نے یہ آیت نازل کی : " الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ " الخ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ یہ 18 ذی الحجہ کا دن تھا اور جس نے اس دن روزہ رکھا ، اس کے لیے ساٹھ مہینوں کے روزوں کا ثواب لکھا جائے گا ۔ (42)

جہاں تک شیعہ روایات کا تعلق ہے تو وہ ائمہ اہل بیت ع سے اس دن کے فضائل کے بارے میں اتنی ہیں کہ بس بیان کیے جائیے ۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ہدایت دی کہ ہم امیر المومنین ع کی ولایت کو مانیں اور یوم غدیر کو عید منائیں ۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ حدیث غدیر صحیح معنی میں ایک بہت بڑا تاریخی واقعہ ہے جسے نقل کرنے پر امت محمدیہ نے اتفاق کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں تین سو ساٹھ سنی علماء نے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور شیعہ علماء کی تعداد تو اس سے بھی زیادہ ہے ۔

ان حالات میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ امت اسلامیہ دوفریقوں میں تقسیم ہوگئی ہے : ایک اہل سنت ، دوسرے اہل تشیع ۔ اہل سنت ، سقیفہ بنی ساعدہ کے شوری کے اصول پر جمے ہوئے ہیں ۔ وہ صریح نصوص کی تاویل کرتے ہیں اور حدیث غدیر وغیرہ جس پر سب راویوں کا اتفاق ہے ، اس کی مخالفت کرتے ہیں ۔ دوسرا فریق ان نصوص پر قائم ہے اور انہیں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ۔ اس فریق نے ائمہ اہل بیت ع کی بیعت کی ہے اور ان ہی کو مانتا ہے ۔

حق تو یہ ہے کہ جب اہل سنت کے مذہب کو کریدتا ہوں تو مجھے اس میں کوئی اطمینان بخش چیز نظر نہیں آتی ۔ خصوصاً خلافت کے معاملے میں ۔ ان کے سب دلائل ظنی واجتہاد پر مبنی ہیں ۔ کیونکہ انتخاب کا قاعدہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ آج جس شخص کو ہم پسند کرتے ہیں وہ ضرور سب دوسروں سے افضل ہے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ کس کے دل میں کیا ہے ۔ خود ہمارے اندر ذاتی جذبات وتعصبات چھپے ہوئے ہیں اور جب بھی متعدد اشخاص میں سے ایک شخص کو پسند کرنے کا موقع ہوتا ہے ، یہ عوامل ہمارے فیصلے پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔

یہ کوئی خیال مفروضہ نہیں اور نہ اس معاملے میں کچھ مبالغہ ہے کہ جو شخص بھی اس طرز فکر یعنی خلیفہ کے انتخاب کے تصور ۔ کا تاریخی نقطہ نظر سے مطالعہ کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ اصول جس کے اتنے ڈھول پیٹے جاتے ہیں نہ کبھی کامیاب ہوا ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ کبھی کامیاب ہو ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ شوری تحریک کے لیڈر ابو بکر نے جو شوری کے ذریعے منصب خلافت تک پہنچے تھے ، خود ہی دو سال بعد اس کو توڑ دیا تھا جب انہوں نے اپنے مرض الموت میں عمر بن خطاب کو خلیفہ نامزد کر دیا ۔ کیونکہ انہیں اپنے زمانہ حکومت میں احساس ہو گیا تھا کہ خلافت کے امیدوار بہت ہیں اور لوگ خلافت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں ، اس لیے ایسے فتنے کا اندیشہ ہے جو امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا ۔ یہ اس صورت میں ہے جب ہم ابو بکر کے بارے میں حسن ظن سے کام لیں ۔ لیکن اگر انہیں خود معلوم تھا کہ دراصل خلافت کا فیصلہ نص سے ہوتا ہے ، تو پھر یہ ایک دوسرا معاملہ ہے ۔

ادھر عمر بن خطاب جو سقیفہ کے موقع پر ابو بکر کی خلافت کے محرک اور معمار تھے اپنے دور خلافت میں علانیہ کہتے تھے کہ : ابو بکر کی بیعت بلامشورہ اور اچانک ہوگئی تھی ، لیکن اللہ نے مسلمانوں کو اس کے برے نتائج سے محفوظ رکھا (43)۔

اس کے بعد جب عمر ابو لؤلؤ فیروز کے وار سے زخمی ہو گئے اور انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے ایک چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی تاکہ وہ خلافت کے لیے اپنے میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لے ۔ لیکن انہیں یہ بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ چند لوگ بھی اس کے باوجود انہیں رسول اللہ ص کی صحبت کا شرف حاصل

تھا ، وہ سابقین اولین میں سے تھے اور زہد وتقویٰ میں ممتاز تھے ، انسانی جذبات سے ضرور متاثر ہوں گے ۔ کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے اور اس سے صرف معصوم ہی مستثنیٰ ہوسکتے ہیں ، اس لیے اختلاف کی صورت میں اس فریق کے حق میں فیصلہ ہوگا جس کے ساتھ عبدالرحمان بن عوف ہوں گے ۔ اس کے بعد اس کمیٹی نے خلافت کے لیے امام علی ع کا انتخاب کردیا لیکن شرط یہ رکھی کہ وہ کتاب اللہ ، سنت رسول اللہ اور سنت شیخین یعنی ابوبکر اور عمر کی سنت کے مطابق حکومت کریں گے ۔ علی نے کتاب اللہ

اور سنت رسول اللہ ص کی بات تو تسلیم کرلی لیکن سنت شیخین کی پیروی کرنے سے انکار کردیا (44)۔ عثمان نے یہ شرائط منظور کرلیں ، چنانچہ ان کی بیعت کرلی گئی ۔ علی ع نے اس موقع پر کہاتھا :

"فيا لله وللشورى ! متى اعترض الرّيب فيّ مع الأول منهم حتّى صرت أقرن إلى هذه النظائر ! لكنّي أسففت إذا أسفوا وطرث إذ طاروا فصغارجلّ منهم لضغنه ومال الآخر لصهره مع هنٍ وهنٍ."

قسم بخدا ! کہاں علی اور کہاں یہ نام نہاد شوری ۔ ان لوگوں میں کے پہلے حضرت (ابو بکر) کی نسبت میری فضیلت میں شک ہی کب تھا جو اب ان لوگوں نے مجھے اپنے جیسا سمجھ لیا ہے ؟ (لیکن میں جی کڑا کر کے شوری میں حاضر ہو گیا) اور نشیب و فراز میں ان کے ساتھ ساتھ چلا مگر ان میں سے ایک (45) نے بغض و حسد کے مارے میرا ساتھ نہ دیا اور دوسرا (46) دامادی اور ناگفتہ بہ باتوں کی کے باعث ادھر جھک گیا ۔ (نہج البلاغہ ۔ خطبہ شقشقیہ)

جب یہ ان لوگوں کا حال تھا جو مسلمانوں میں منتخب اور اخّص الخواص تھے کہ ہو بھی جذبات کی رو میں بہ جاتے تھے اور بغض و حسد اور عصبیت سے متاثر ہوتے تھے تو پھر عام دنیا داروں کا تو ذکر ہی کیا ۔ بعد میں عبدالرحمان اپنے اس انتخاب پر پچتا ئے بھی ۔ اور جب عثمان کے دور میں وہ واقعات پیش آئے جو معلوم ہیں تو وہ عثمان پر بگڑے بھی کہ انہوں نے اپنے عہد کا پاس نہیں کیا ۔ اور جب کبار صحابہ نے ان سے آکر کہا عبدالرحمان یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے ، تو انہوں نے کہا مجھے عثمان سے یہ

توقع نہیں تھی ، مگر اب میں نے قسم کھالی ہے کہ عثمان سے کبھی بات نہیں کروں گا ۔ کچھ دن بعد عبدالرحمان کا انتقال ہو گیا ۔ اس وقت تک بھی ان کی عثمان سے بو چال بند تھی ۔ بلکہ کہتے ہیں کہ ان کی بیماری میں عثمان ان کی عیادت کے لیے گئے تو عبدالرحمان نے دیوار کی طرف منہ کر لیا ۔ بات نہیں کی (47)۔ پھر جو ہونا تھا وہ ہوا ۔ عثمان کے خلاف شورش بھڑک اٹھی اور آخر وہ قتل ہو گئے ۔ امت ایک بار پھر انتخاب کے مرحلے سے گزری ۔ خلافت کے امیدواروں میں : طلح بن طلح (48)، معاویہ بن ابو سفیان ، عمرو بن عاص ، مغیرہ بن شعبہ ، مروان بن حکم وغیرہ شامل تھے ، مگر اس بار علمی کا چنا گیا ، مگر افسوس صد افسوس کہ اسلامی مملکت میں انتشار پھیل گیا ۔ اور وہ منافقوں ، مملکت کے دشمنوں ، متکبروں اور ان لالچیوں کی جو لانگاہ بن گئی جو ہر قیمت پر مسند خلافت پر متمکن ہونے کے خواہاں تھے ۔ چاہے اس کے لیے کوئی طریقہ بھی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے اور کتنے ہی بیگناہوں کا خون کیوں نہ بہانا پڑے ۔ اور یہ کہ اس 25 سالہ مدت میں خدا اور رسول ص کے احکام میں تحریف بھی کی گئی ، پس امام علی ع ایک ایسے بحران میں پھنس گئے جس کے ہر طرف بپھری ہوئی موجیں تھیں ، ماحول تیرہ و تاریک تھا ، منہ زور خواہشات کا زور تھا ۔ امام علی ع کا عہد خلافت ایسی خوں ریز جنگوں میں گزرا جو باغیوں ، ظالموں اور ملحدوں نے ان پر مسلط کردی تھیں ۔ وہ اس بحران سے جام شہادت نوش کر کے ہی نکل سکے ۔ اور امت محمدیہ کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے اس دنیا سے چلے گئے ۔ فسلام اللہ علیہ ۔ یہ سب شوری اور انتخاب کے تصور کا شاخسانہ تھا ۔ اس کے بعد امت محمدیہ خون کے سمندر میں ڈوب گئی ۔ اس کی قسمت کے فیصلے احمقوں اور رذیلوں کے ہاتھ میں آگئے ۔ پھر شوری

کٹ کھنی بادشاہت میں بدل گئی اور اس نے قیصری اور کسروی کی شکل اختیار کر لی۔ معاویہ کے عہد سے خلافت موروثی ہوگئی اور بیٹا باپ کا جانشین ہونے لگا۔

وہ دور ختم ہوگیا جسے خلافت راشدہ کہا جاتا ہے اور جس دور کے چار خلفاء خلفائے راشدین کہلاتے ہیں۔ واقعہ تو یہ ہے کہ ان چار میں سے بھی صرف ابو بکر اور علی ع انتخاب اور شوری کے ذریعہ سے خلیفہ ہوئے تھے۔ ان میں سے اگر ہم ابو بکر کو چھوڑ دیں کیونکہ ان کی بیعت اچانک ہوئی تھی۔ اور اس میں آجکل کی اصطلاح میں حزب اختلاف نے شرکت نہیں کی تھی جو علی ع، ان کے حامی صحابہ (49) اور بنی ہاشم پر مشتمل تھی، تو صرف علی بن ابی طالب ع ہی رہ جاتے ہیں جن کی بیعت واقعی شوری اور آزادی رائے کے اصول کے تحت منعقد ہوئی۔ اور علی ع کے انکار کے باوجود مسلمانوں نے ان سے بیعت کی۔ اگر چہ بعض صحابہ نے بیعت سے پہلو تہی ضرور کی لیکن ان پر زیر دستی نہیں کی گئی اور نہ انہیں کوئی دھمکی دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ علی ابن ابی طالب ع نص قطعی کے ذریعے سے بھی خلیفہ ہوں اور مسلمان ان کا انتخاب بھی کریں۔ اب علی ع کی خلافت پر کیا سنی، کیا شیعہ پوری امت مسلمہ کا اجماع ہے اور جیسا کہ سب کو معلوم ہے، دوسرے خلفاء کے بارے میں اختلاف ہے۔

یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اس نعمت خداوندی کی قدر نہیں کی۔ اگر قدر کرتے تو ان پر آسمانی برکتوں کے دروازے کھل جاتے۔ روزی کی برگز تنگی نہ ہوئی آج مسلمان ساری دنیا کے قائد اور سردار ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ" تم ہی سب سے سربلند ہوگے بشرطیکہ تم سچے مومن ہو۔

لیکن ابلیس لعین تو ہمارا کھلا دشمن ہے، اس نے اللہ ربّ العزت سے کہہ دیا تھا کہ: "قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ () ثُمَّ لَأَتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ" چونکہ تونے مجھے گمراہ کر دیا ہے، میں بھی اس سیدھی راہ پر بیٹھ کر رہوں گا جو تونے ان کے لیے تجویز کی ہے، پھر آؤں گا ان کے پاس ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے، ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے۔ اور تو ان میں سے اکثر کو اپنا شکر گزار نہیں پائے گا۔ (سورہ اعراف۔ آیت 16-17)

آج اہل نظر دنیا میں مسلمانوں کی حالت دیکھیں خصوصاً تیسری دنیا میں، جہاں کے مسلمان پسماندہ ہیں، جاہل ہیں، جاہل ہیں، ان کی قسمت کافیصلہ اغیار کے ہاتھ میں ہے، وہ ذلیل ہیں، کچھ نہیں کرسکتے، ان ممالک کے پیچھے دوڑتے ہیں جو اسرائیل کو تسلیم کرتے ہیں حالانکہ اسرائیل مسلمان حکومتوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ مسلمانوں کو یروشلم میں گھسنے تک نہیں دیتا جسے اس نے اپنا دارالسلطنت بنا لیا ہے۔ آج مسلمان ممالک امریکہ اور روس کے رحم و کرم پر ہیں۔ مسلمان قومیں جہالت، بھوک اور بیماری کے عفریت کے چنگل بری طرح پھنسی ہوئی ہیں۔ یورپ کے تو کتے بھی انواع واقسام کے گوشت اور مچھلیاں کھاتے ہیں، جب کہ مسلمانوں کے بچے بھوک سے دم توڑ دیتے ہیں۔ بعض اسلامی ملکوں میں تو انہیں روٹی کا ایک ٹکڑا بھ نصیب نہیں ہوتا اور وہ کوڑے کے ڈھیر سے اپنی غذا تلاش کرتے نظر آتے ہیں "فلا حول ولا قوة الا بالله علی العظیم"

سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا بیعت ابو بکر کے بعد، جب ابو بکر سے جھگڑا ہوا تھا تو انہوں نے مہاجرین و انصار کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

".....معلوم نہیں لوگوں کو علی کی کیا بات ناپسند ہے کہ انہوں نے ان کی حمایت چھوڑ دی ہے؟ بخدا! لوگ

علی کی احکام الہی کے بارے میں سختی، ان کی ثابت قدمی اور ان کی شمشیر خارا شگاف کو پسند نہیں کرتے مگر انہوں نے خود اپنا ہی نقصان کیا ہے۔ علی ع

کی حکومت میں انہیں ظلم و ستم سے واسطہ نہ پڑتا۔ وہ تو انہیں علم و دانش اور عدل و انصاف کے چشموں سے سیراب کرتے۔"

اس کے بعد انہوں نے پیشن گوئی کی تھی۔ انہوں نے اپنی تقریر کے آخر میں اس امت کے انجام کی خبر دیتے ہوئے کہا تھا :

"جو کام ان لوگوں نے کیا ہے ہو گا بہن اونٹنی کی طرح ہے۔ بچہ ہونے دو پھر تم پیالہ بھر کے دودھ کی بجائے خون اور زہر دوہو گے۔ اس وقت باطل پرست خسارہ میں رہیں گے اور یہ کہ آئندہ آنے والی نسلیں اپنے پچھلوں کی غلطیوں کا خمیازہ بھگتیں گی اور یقین رکھو کہ تم فتنہ و فساد میں ڈوب جاؤ گے اور یقین رکھو کہ تلوار چلے گی، ظلم و ستم ہوگا، افراتفری ہوگی، ظالموں کی مطلق العنان حکومت ہوگی جو تمہیں پیس کے رکھ دے گی۔ تم کس خیال میں ہو؟ تمہیں کیوں سمجھ نہیں آتی؟ کیا ہم زبردستی وہ چیز تمہارے سرمنڈھ دیں جو تمہیں پسند ہی نہیں؟" (50)

دختر رسول ص اور گوہر کان نبوت صدیقہ طاہرہ نے جو کچھ کہا وہ اس امت کی تاریخ میں حرف بحرف سچ ثابت ہوا اور کون جانے ابھی پردہ غیب میں کیا ہے۔ شاید مستقبل میں جو کچھ پیش آئے وہ ماضی سے بھی زیادہ بھیانک ہو۔ کیوں کہ اللہ نے جو احکام نازل کیے وہ انہیں ناپسند ہوئے۔ پھر اللہ نے بھی ان کے اعمال غارت کر دیئے۔

اس بحث کا ایک اہم جزو

اس بحث کے سلسلے میں ایک خاص بات جو توجہ اور تحقیق کی مستحق ہے اور یہ وہ واحد اعتراض ہے جو اس وقت اٹھایا جاتا ہے جب مسکت دلائل کے سامنے مخالفین کے لیے فرار کا راستہ بند ہو جاتا ہے اور انہیں نصوص صریحہ کا اعتراف کرنا پڑتا

ہے تو وہ بالآخر انکار اور تعجب کے ساتھ کہتے ہیں کہ "یہ کیسے ممکن ہے کہ امام علی ع کے امامت پر تقرر کے وقت ایک لاکھ صحابہ موجود ہوں اور پھر وہ سب کے سب اس تقرر کی مخالفت کرنے اور اسے نظر انداز کرنے پر اتفاق کر لیں، جب کہ ان میں بہترین صحابہ اور امت کے افضل ترین اشخاص شامل تھے۔" یہ صورت خود میرے ساتھ اس وقت پیش آئی جب میں نے اس موضوع پر تحقیق شروع کی۔ مجھے یقین نہیں آتا اور کسی کو بھی یقین نہیں آئیگا اگر معاملے کو اس صورت میں پیش کیا جائے۔ لیکن جب ہم اس معاملے کا تمام پہلوؤں سے جائزہ لیتے ہیں تو پھر اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں رہتی۔ کیونکہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے جس طرح ہم سمجھتے ہیں یا جس طرح اہل سنت پیش کرتے ہیں۔ بات ان کی بھی معقول ہے۔ حاشا وکلا! یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک لاکھ صحابہ فرمان رسول ص کی مخالفت کریں۔

پھر یہ واقعہ کسی طرح پیش آیا؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ بیعت غدیر کے موقع پر موجود تھے وہ سب مدینہ منورہ کے رہنے والے نہیں تھے۔ ان میں زیادہ سے زیادہ تین چار ہزار مدینے کے باشندے ہوں گے پھر ان میں بہت سے آزاد شدہ غلام تھے۔ غلام بھی تھے اور کمزور لوگ بھی تھے جو مختلف اطراف و اکناف سے آکر رسول اللہ ص کی خدمت میں جمع ہو گئے تھے، ان کا مدینہ میں اپنا کوئی کٹم قبیلہ نہیں تھا جیسے :

"اصحاب صفہ"۔ اگر ان سب کو نکال دیا جائے تو ہمارے پاس آدھی تعداد بچتی ہے یعنی زیادہ سے زیادہ دو ہزار۔ یہ لوگ بھی قبائلی نظام کے تحت قبیلے کے سرداروں کے تابع تھے۔ رسول اللہ ص نے اس نظام کو باقی رہنے دیا تھا۔ جب رسول اللہ ص کے پاس کوئی وفد آتا تھا تو آپ اس کے سردار کو اس کا انچارج مقرر کردیتے تھے۔ اسی لیے اسلام میں ان زعماء اور سرداروں کے لیے اہل حل وعقد کی اصطلاح رائج ہو گئی۔ جب ہم سقیفہ کا کانفرنس پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے شرکاء کی تعداد جنہوں نے حضرت ابو بکر کو منتخب کیا تھا ایک سو سے ہرگز متجاوز نہیں تھی، اس لیے انصار میں سے جو مدینے کے اصل باشندے تھے۔ صرف سرداروں نے

شرکت کی تھی اور مہاجرین میں سے جو دراصل مکے کے رہنے والے تھے اور رسول اللہ ص کے ساتھ ہجرت کر کے آئے تھے صرف تین یا چار اشخاص ہی شریک تھے جو قریش کی نمائندگی کر رہے تھے۔ اس کے ثبوت کے لیے یہ کافی ہے کہ ہم یہ اندازہ لگائیں کہ سقیفہ کتنا بڑا ہوگا۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ سقیفہ کیا ہوتا ہے۔ یہ مکان کے بیرونی دروازے سے ملحق ایک کمرہ ہوتا ہے جس میں لوگ بیٹھک جماتے ہیں۔ یہ مکان کے بیرونی دروازے سے ملحق ایک کمرہ ہوتا ہے جس میں لوگ بیٹھک جماتے ہیں۔ یہ کوئی آڈیٹوریم یا کانفرنس ہال نہیں تھا۔ اس لیے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ "سقیفہ بنی ساعدہ" میں سو آدمی موجود ہوں گے تو درحقیقت ہم مبالغے سے کام لیتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ تحقیق کرنے والے کو یہ معلوم جائے کہ وہاں وہ ایک لاکھ آدمی نہیں تھے جو "غدیر خم" کے موقع پر موجود تھے، بلکہ انہیں تو یہ معلوم بھی کافی عرصہ کے بعد ہوا ہوگا کہ سقیفہ میں کیا کارروائی ہوئی۔ کیونکہ ان دنوں نہ فضائی رابطہ تھا نہ ٹیلیفون تھے اور نہ ہی مصنوعی سیارے تھے۔ جب وہاں موجود زعماء کا ابوبکر کے تقرر پر انصار کے سردار سعد بن عبادہ اور ان کے بیٹے قیس کی مخالفت کے باوجود، اتفاق ہو گیا اور غالب اکثریت سے معاملہ طے پا گیا اس وقت مسلمانوں کی بڑی تعداد سقیفہ میں موجود نہیں تھی۔ کچھ لوگ رسول اللہ ص کی تجہیز وتکفین میں مصروف تھے، کچھ رسول اللہ ص کی وفات کی خبر سے حواس باختہ تھے۔ عمر نے انہیں یہ کہہ کر اور بھی خوف زدہ کر دیا تھا کہ خبر دار کوئی یہ بات زبان سے نہ نکالے کہ رسول اللہ ص وفات پا گئے ہیں۔ (51) اس کے علاوہ صحابہ کی ایک بڑی تعداد کو رسول اللہ ص نے سپاہ اسامہ میں بھرتی کر لیا تھا اور یہ لوگ زیادہ تر جرف میں مقیم تھے۔ لہذا یہ لوگ رسول اللہ ص کی وفات کے وقت نہ تو مدینے میں موجود تھے اور نہ ہی سقیفہ کی کانفرنس میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد بھی کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کسی قبیلے کے افراد اپنے سردار کی مخالفت کرتے اور اس سے جو فیصلہ کر دیا تھا اسے نہ مانتے۔ خصوصاً جب کہ یہ فیصلہ ان کے لیے ایک بڑا اعزاز تھا جس کو حاصل کرنے کی ہر قبیلہ کوشش کرتا تھا۔ کون جانتا ہے کہ کسی دن ان کے ہی قبیلہ یا خاندان کو تمام خلافت حاصل ہو جائے جب کہ اس کا

شرعی حق دار تو راستے سے ہٹا ہی دیا گیا تھا اور معاملہ شوری پر منحصر ہو گیا تھا۔ اس صورت میں باری باری سب کے لیے موقع تھا۔ ایسی حالت میں وہ اس فیصلے سے کیوں نہ خوش ہوتے اور کیسے نہ اس کی تائید کرتے؟

دوسری بات یہ ہے کہ جب مدینے کے رہنے والے اہل حل وعقد نے ایک بات طے کر دی تھی تو جزیرہ نمائے عرب کے دور افتادہ باشندوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اس کی مزاحمت کریں گے کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی عدم موجودگی میں کیا ہو رہا ہے جب کہ اس دور میں وسائل رسل بالکل ابتدائی

حالت میں تھے ۔

اس کے علاوہ وہ یہ بھی سوچتے تھے کہ اہل مدینہ رسول اللہ کے پڑوسی ہیں وہ احکام ربانی اور وحی سے جو کسی وقت کسی دن بھی نازل ہوسکتی تھی زیادہ واقف ہیں ۔ پھر یہ کہ صدر مقام سے دور رہنے والے قبیلے کے سردار کو خلافت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی ۔ اسے اس سے کیا کہ ابو بکر خلیفہ ہوں یا علی ع یا کوئی اور ۔ گھر کا حال گھر والے جانیں ۔ اس کے لیے تو اہم بات صرف یہ تھی کہ اس کی سرداری برقرار رہے ۔ اسے کوئی چھیننے کی کوشش نہ کرے ۔ کون جانتا ہے ۔ شاید کسی نے معاملے کے متعلق کچھ پوچھ گچھ کی بھی ہو ۔ اور حقیقت حال جاننے کی کوشش کی ہوں ۔ لیکن حکومت کے کارندوں نے خواہ ڈرا دھمکا کر یالالچ دے کر اسے خاموش کر دیا ہو ۔ شاید مالک بن نویرہ کے قصے کے متعلق ۔ جس نے ابو بکر کو زکات دینے سے انکار کر دیا تھا ۔ شیعوں ہی کی بات صحیح ہو ۔ حقیقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے ۔ لیکن جو شخص مانعین زکاۃ کے ساتھ جنگ کے دوران میں پیش آنے والے واقعات کا بغور مطالعہ کرے گا اسے بہت سے ایسے تضادات ملیں گے جن کے متعلق بعض مورخین کی پیش کی ہوئی صفائی سے اطمینان نہیں ہوگا ۔

تیسری بات یہ ہے اس واقعہ کے اچانک پیش آجانے کا بھی اس کو بطور امر واقعی FAIT ACCOMPLI تسلیم کرلیے جانے میں بڑا دخل رہا ہے سقیفہ کانفرنس اس وقت اچانک منعقد ہوئی تھی جب بہت سے صحابہ رسول اللہ ص کی تجہیز

وتکفین میں مشغول تھے ان میں امام علی ع عباس ، دوسرے بنی ہاشم ، مقداد ، سلمان ابوذر ، عمار اور دوسرے بہت سے اصحاب شامل تھے ۔ جب تک سقیفہ کے شرکاء ابو بکر کو مسجد میں لے کر گئے اور انہوں نے عام بیعت کی دعوت دی جس پر لوگ بادل خواستہ ناخواستہ بیعت کے لیے امانڈ پڑے ، اس وقت تک علی ع اور ان کے پیروکار اپنے شرعی اور اخلاقی فریضہ سے فارغ نہیں ہوئے تھے اور ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ رسول اللہ ص کو بغیر غسل اور بغیر کفن دفن کے چھوڑ کر سقیفہ میں خلافت کے واسطے دوڑ پڑتے اور جب تک وہ اس فریضہ سے فارغ ہوئے ۔ اس وقت تک معاملہ ابو بکر کے حق میں فیصلہ بھی ہوچکا تھا ۔ اب جو کوئی ابوبکر کی بیعت سے پیچھے ہٹتا اس کا شمار مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے ان فتنہ پردازوں میں ہوتا جن سے نمٹنا اور ضروری ہوتو انہیں قتل کر دینا مسلمانوں پر واجب ہو گیا تھا ۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ جب سعد بن عبادہ نے حضرت ابو بکر کی بیعت میں تامل کیا تو عمر بن خطاب نے انہیں قتل کی دھمکی دی تھی ۔ (52)

اس کے بعد بیعت سے انکار کرنے والے ان صحابہ کو جو علی ع کے گھر میں جمع تھے ، زندہ جلادینے کی اور علی ع کے گھر کو آگ لگانے دینے کی دھمکی دی گئی تھی ۔ اگر ہمیں بیعت سے متعلق عمر کی صحیح رائے معلوم ہوجائے تو بہت سے حیران کن معموں کا حل نکل آئے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ عمر کا خیال یہ تھا کہ بیعت کے درست ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ کوئی ایک مسلمان بیعت میں سبقت کر لے ۔ پھر باقی پر اس کی پیروی واجب ہوجاتی ہے ۔ اس پر بھی اگر کوئی مخالفت کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج اور واجب القتل ہے ۔ آئیے دیکھیں خود عمر بیعت کے بارے میں کیا کہتے ہیں ! صحیح بخاری کی روایت ہے ۔ (53) عمر کہتے ہیں :

اس پر بڑی گڑبڑ ہوئی اور خوب شور مچا ۔ میں ڈرا کہ کہیں آپس میں تفرقہ پڑ جائے ۔ میں نے ابو بکر سے کہا : ہاتھ بڑھاؤ ۔ انہوں نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے بیعت کر لی ۔ مہاجرین (54) اور انصار نے بھی بیعت کر لی ۔ ہم سعد بن عبادہ پر کود پڑے ۔ انصار میں سے کسی نے کہا : تم نے سعد بن عبادہ کو مار ڈالا ! میں نے کہا سعد بن عبادہ پر

اللہ کی مار !

عمر کہتے ہیں کہ " جو مسئلہ ہمارے سامنے تھا ، اس کا اس سے مضبوط کوئی حل نہیں تھا کہ ابو بکر کی بیعت کر لی جائے۔ ہمیں ڈرتھا کہ اگر وہاں موجود لوگوں کو چھوڑ کر چلے گئے اور بیعت نہ ہوئی تو کہیں وہ ہمارے جانے کے بعد اپنے ہی لوگوں سے بیعت نہ کر لیں۔ پھر یا تو ہمیں اپنی مرضی کے خلاف بیعت کرنی پڑیگی اور اگر ہم نے مخالفت کی تو فساد برپا ہوگا۔ اگر کوئی کسی سے مسلمانوں کے مشورے کے بغیر بیعت کرے تو ان دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا جائیگا۔

معلوم ہوا کہ عمر کے نزدیک سوال انتخاب ، اختیار اور شوری کا نہیں تھا۔ صرف اتنا کافی تھا کہ کوئی مسلمان بڑھ کر کسی سے بیعت کر لے تاکہ باقی لوگوں پر حجت قائم ہو جائے۔ اسی لیے عمر نے ابو بکر سے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ۔ ابوبکر نے ہاتھ بڑھایا تو عمر نے بلا جھجک اور بلا کسی سے مشورہ کیے فوراً اس خوف سے بیعت کر لی کہ کہیں کوئی دوسرا ان سے بازی نہ لے جائے۔ اس بات کو عمر نے اس طرح بیان کیا :

ہم ڈرتے تھے کہ اگر ہم ان لوگوں کے پاس چلے گئے اور بیعت نہ ہوئی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ہمارے جانے کے بعد اپنے ہی لوگوں میں سے کسی سے بیعت کر لیں۔ (عمر کو ڈرتھا کہ کہیں انصار پہل کر کے اپنے میں کسی کی بیعت نہ کر لیں)۔

مزید وضاحت اگلے فقرے سے ہوجاتی ہے :

پھر یا تو ہمیں اپنی مرضی کے خلاف ان سے بیعت کرنی ہوگی یا اگر ہم نے مخالفت کی تو فساد برپا ہو جائے گا۔ (55)۔

احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ہم یہاں یہ اعتراف کر لیں کہ عمر بن خطاب نے بیعت کے بارے میں اپنی رائے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بدل لی تھی۔ ہوا یوں کہ انہوں نے جو آخری حج کیا تھا اس کے دوران ایک شخص نے عبدالرحمان بن عوف کی موجودگی میں ان سے آکر کہا تھا : آپ کو معلوم ہے کہ فلاں شخص کہتا ہے کہ اگر عمر مرجائیں تو میں فلاں سے بیعت کر لوں گا۔ ابو بکر کی بیعت تو اچانک ہو گئی تھی جو اتفاق سے کامیاب ہو گئی۔ یہ سن کر عمر بہت ناراض ہوئے اور مدینے واپسی کے فوراً بعد ایک خطبہ دیا جس میں اور باتوں کے علاوہ کہا :

میں نے سنا ہے کہ تم میں سے کوئی کہہ رہا تھا کہ اگر عمر مر گئے تو میں فلاں شخص کی بیعت کر لوں گا۔ کسی شخص کو اس دھوکے میں نہیں رہنا چاہیے کہ ابوبکر کی بیعت اچانک ہوئی تھی لیکن کامیاب رہی۔ یہ بات صحیح ہے اللہ نے اس کے برے نتائج سے محفوظ رکھا۔ (56)

پھر کہا کہ

"جو شخص مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر کسی سے بیعت کرے گا تو نہ بیعت کرنے والے کی بیعت صحیح ہوگی اور نہ بیعت لینے والے کی بیعت، بلکہ وہ دونوں قتل کر دیے جائیں (57)۔

کاش ! سقیفہ کے موقع پر بھی عمر کی یہی رائے ہوتی !

اب یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ عمر نے زندگی کے آخری ایام میں اپنی رائے تبدیل کیوں کر لی۔ کیونکہ انہیں دوسروں سے بہتر طور پر معلوم تھا کہ وہ اپنی رائے کی وجہ سے ابوبکر کی بیعت کی بنیادیں ڈھارے ہیں ، اس لیے کہ انہوں نے بھی ابو بکر کی بیعت مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر اچانک کی تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کے اس بیان سے

خود ان کی اپنی بیعت کی بنیادیں ہل گئی اس لیے ابوبکر نے اپنی وفات کے قریب مسلمانوں سے مشورہ کیے

بغیر ان کے لیے بیعت لی تھی، یہاں تک کہ بعض صحابہ انے ابو بکر کی چٹھی سنانے کے لیے عمر باہر نکلے تو کسی نے ان سے پوچھا : ابو حفص ! اس چٹھی میں کیا ہے ؟ عمر نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں ۔ لیکن پہلا میں شخص ہوں گا جو ابوبکر کے حکم کو سن کر اسے قبول کرے گا ۔ اس شخص نے اس پر کہا : مگر مجھے معلوم ہے کہ اس میں کیا ہے ؟ اگلی بار آپ نے انہیں حکمران بنایا تھا ، اس بار وہ آپ کو حکمران بنارہے ہیں (58)۔

یہ ویسی ہی بات ہے جیسی امام علی ع نے اس وقت کہی تھی جب وہ لوگوں کو ابوبکر کی بیعت کی دعوت دے رہے تھے ، علی ع نے کہا تھا : دودھ دوہ لو ، تمہیں تمہارا حصہ مل جائے گا ۔ آج تم ان کی خلافت پکی کرو ، کل وہ خلافت تمہیں لوٹا دیں گے (59)۔

اہم بات یہ ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بیعت کے بارے میں عمر نے اپنی رائے کیوں بدلی ؟ میرا خیال یہ ہے کہ انہوں نے سناتھا کہ بعض صحابہ ان کے مرنے کے بعد علی ابن ابی طالب ع سے بیعت کرنا چاہتے ہیں ۔ مگر یہ بات انہیں قطعاً پسند نہیں تھی ۔ عمر کو یہ گوارا نہیں تھا کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اگر عمر مرگئے تو میں فلاں شخص سے بیعت کرلوں گا ۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ وہ خود عمر کے اپنے فعل سے استدلال کر رہا ہے ۔ اس کہنے والے کا نام تو معلوم نہیں مگر اس میں شک نہیں کہ یہ کبار صحابہ میں سے کوئی صاحب ہوں گے ۔ یہ صاحب کہہ رہے تھے کہ اگر ابوبکر کی بیعت اچانک ہوئی تھی مگر مکمل ہوگئی یعنی اگرچہ یہ بیعت مشورے کے بغیر اور دفعتاً ہوگئی تھی مگر یہ مکمل ہو کر ایک حقیقت بن گئی ۔ اگر عمر اس طرح ابوبکر سے بیعت کرسکتے تھے تو وہ خود کیوں فلاں سے اس طرح بیعت نہیں کرسکتے ۔

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ابن عباس ، عبدالرحمن بن عوف اور عمر بن خطاب اس شخص کا نام نہیں لیتے جس نے یہ بات کہی تھی اور نہ اس شخص کا نام لیتے ہیں ۔ جن کی یہ بیعت کرنا چاہتا تھا ۔ لیکن چونکہ یہ دونوں اشخاص مسلمانوں میں بڑی اہمیت رکھتے تھے ، اس لیے عمر یہ بات سن کر بگڑے اور پہلے ہی جمعہ کو جو خطبہ دیا اس میں خلافت کا ذکر چھیڑ کر اپنی نئی رائے کا اظہار کیا ، تاکہ جو صاحب پھر ایک بار اچانک بیعت کا ارادہ کر رہے تھے ان کا راستہ روکا جاسکے ۔ کیونکہ اس بیعت کی صورت میں خلافت فریق مخالف کے ہاتھ میں جانے کا امکان تھا ۔ اس کے علاوہ اس بحث کے بین السطور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شخص کی انفرادی رائے نہیں تھی ، یہ رائے بہت سے صحابہ کی تھی ، اس لیے بخاری کہتے ہیں " اس پر عمر نے بگڑ کر کہا : میں انشاللہ شام کو تقریر کر کے لوگوں کو ان سے خبر دار کردوں گا جو ان کے معاملات پر ناجائز قبضہ کرنا چاہتے ہیں (60)۔

اس سے معلوم ہوا کہ عمر کی رائے میں تبدیلی کی اصل وجہ ان لوگوں کی مخالفت تھی جو بقول ان کے لوگوں کے معاملات پر ناجائز قبضہ کرنا اور علی ع کی بیعت کرنا چاہتے تھے اور یہ بات عمر کے لیے ناقابل قبول تھی ۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ خلافت لوگوں کے طے کرنے کا مسئلہ ہے ۔ یہ علی بن ابی طالب ع کا حق نہیں ۔ لیکن اگر عمر کا یہ خیال صحیح تھا تو رسول اللہ ص کی وفات کے بعد انہوں نے خود لوگوں کا حق غصب کیوں کیا تھا اور مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر ابوبکر سے بیعت کرنے میں جلدی کیوں کی تھی ؟ ابو حفص عمر کا رویہ ابو الحسن علی ع کے بارے میں سب کو معلوم ہے ۔ عمر کی کوشش یہ تھی کہ جہاں تک ممکن ہو علی ع کو حکومت سے دور رکھا جائے ۔

یہ نتیجہ ہم نے صرف مذکورہ بالا خطبے ہی سے اخذ نہیں کیا ہے بلکہ تاریخ کا متتبّع کرنے والا ہر آدمی جانتا ہے کہ ابو بکر کے دور خلافت میں بھی عملاً عمر بن خطاب ہی حکمراں تھے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ابوبکر نے اسامہ سے اجازت مانگی تھی کہ عمر کو ان کے پاس چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ امور خلافت میں ان سے مدد لیتے رہیں (61)۔

ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ابو بکر، عمر اور عثمان کے پورے دور میں علی بن ابی طالب کو ذمہ داری کے عہدوں سے دور رکھا گیا۔ نہ ان کو کوئی منصب دیا گیا۔ نہ کسی صوبے کا گورنر بنایا گیا، نہ کسی لشکر کا سالار مقرر کیا گیا اور نہ خزانہ ان کی تحویل میں دیا گیا۔ حالانکہ ہم سب جانتے ہیں کہ علی بن ابی طالب ع کون تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں اس سے زیادہ عجیب بات یہ لکھی ہے کہ عمر کو مرنے کے قریب اس بات کا افسوس تھا کہ ابو عبیدہ بن جراح یا حذیفہ بن یمان کے آزاد کردہ غلام یاسر، ان دونوں میں سے کوئی اس وقت زندہ نہیں ورنہ وہ ان ہی میں سے کسی کو اپنے بعد خلافت نامزد کردیتے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ بعد میں انہیں خیال آیا کہ اس طرح کی بیعت کے بارے میں تو وہ اپنی رائے پہلے ہی بدل چکے، اس لیے ضروری ہوا کہ بیعت کا کوئی نیا طریقہ ایجاد کیا جائے جس کو درمیانی حل قرار دیا جاسکے، جس میں نہ تو کوئی فر دواحد اس کی بیعت کرلے جس کو وہ اپنی ذاتی رائے میں مناسب سمجھتا ہو اور پھر دوسروں کو آمادہ کرے کہ وہ بھی اس کی پیروی کریں جیسا کہ خود عمر نے ابو بکر کی بیعت کے وقت کیا تھا۔ یا جس طرح ابوبکر نے اپنے بعد خلافت کے لیے عمر کو نامزد کردیا تھا۔ یا جیسا کہ ان صاحب کا ارادہ تھا جو حضرت عمر کی موت کا انتظار کر رہے تھے۔ تاکہ اپنے پسندیدہ شخص کی بیعت کرسکیں، لیکن عمر پیش بندی کرکے ان کے

منصوبے کو ناکام بنادیا تھا۔ نہ ہی عمر کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ خلافت کے معاملے کا تصفیہ مسلمانوں کے شوری پر چھوڑ دیتے کیونکہ وہ اپنی آنکھوں سے چکے تھے کہ رسول اللہ ص کی وفات کے بعد سقیفہ میں کیسے کیسے اختلاف پیدا ہوگئے تھے اور کس طرح کشت و خون کی نوبت آتے آتے وہ گئی تھی۔

چنانچہ حضرت عمر نے بالآخر اصحاب شوری کا اصول وضع کیا اور اس اصول کے تحت ایک چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی جس کے خلیفہ کے انتخاب کا مکمل اختیار تھا اور اس کمیٹی کے ارکان کے علاوہ مسلمانوں میں سے کسی کو اس معاملے میں دخل دینے کا حق نہیں تھا۔ حضرت عمر کو معلوم تھا کہ ان چھ ارکان میں بھی اختلاف پیدا ہونا ناگزیر ہے اس لیے انہوں ہدایت جاری کی کہ اختلاف کی صورت میں اس فریق کا ساتھ دیا جائے جس میں عبدالرحمان بن عوف ہوں، خواہ یہ ارکان تین تین کے دو مساوی گروہوں میں تقسیم ہوجائیں اور اس گروہ کو قتل ہی کردینا پڑے جو عبدالرحمان بن عوف کے خلاف ہو۔ لیکن عمر کو یہ بھی معلوم تھا کہ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ کیونکہ سعد بن ابی وقاص عبدالرحمان بن عوف کے چچا زاد بھائی تھے اور ان دونوں کا تعلق قبیلہ بنی زہرہ تھا۔۔۔۔۔ عمر کو یہ بھی معلوم تھا کہ سعد بن ابی وقاص علی ع سے خوش نہیں، ان کی دل ہیں علی ع کی طرف سے بعض ہے کیونکہ علی ع نے ان کی ننھیال عبد شمس کے بعض افراد کو غزوات میں قتل کیا تھا۔

عمر کو یہ بھی معلوم تھا کہ عبدالرحمان بن عوف عثمان کے بہنوئی کیونکہ ان کی بیوی ام کلثوم عثمان کی بہن ہیں۔

۔۔۔۔۔ یہ بھی جانتے تھے کہ طلحہ کا بھی جھکاؤ عثمان کی طرف ہے بعض راویوں نے ان دونوں کے درمیان تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ عثمان کی طرف طلحہ کے جھکاؤ کا ایک سبب یہ تھا کہ طلحہ علی ع کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ طلحہ تیمی تھے اور حضرت ابو بکر کے منصب خلافت پر فائز ہوجانے کے بعد سے بنی

ہاشم اور بنی تیم کے تعلقات ناخوشگوار ہو گئے تھے (62)۔

حضرت عمر کو یہ سب معلوم تھا اور انہی باتوں کے پیش نظر انہوں نے خاص طور پر ان چھ افراد کا انتخاب کیا تھا ، جو سب کے سب مہاجر اور قریشی تھے ، کوئی بھی انصار میں سے نہیں تھا ۔ ان میں سے ہر ایک کسی ایسے قبیلے کی نمائندگی کرتا تھا جس کی اپنی اہمیت تھی اور اپنا اثر ورسوخ تھا ۔

1:- علی بن ابی طالب ۔ بنی ہاشم کے بزرگ ۔2:- عثمان بن عفان ۔ بنی امیہ کے بزرگ ۔

3:- عبدالرحمن بن عوف ۔ بنی زہرہ کے بزرگ ۔4:- طلحہ بن عبیداللہ ۔ بنی تیم کے بزرگ ۔

5:- سعد بن ابی وقاص ان کا تعلق بھی بنی زہرہ سے تھا ۔ ننھیال بنی امیہ تھی ۔

6:- زبیر بن العوام ۔ رسول اللہ ص کی پھوپھی صفیہ کے صاحبزادے اور اسماء بنت ابی بکر کے شوہر ۔

یہ تھے وہ زعماء اور ارباب حل و عقد جن کا فیصلہ سب مسلمانوں کے لیے واجب العمل تھا ۔ خواہ وہ مسلمان مدینے کے باشندے ہوں یا دنیائے اسلام میں کسی اور جگہ کے ۔ مسلمانوں کا کام چون و چرا کے بغیر حکم کی تعمیل تھا ۔ اگر کوئی تعمیل حکم نہ کرتا تو پھر اس کا خون معاف تھا ۔ یہ تھے وہ حالات جو ہم قاری کے ذہن نشین کرانا چاہتے تھے ، بالخصوص اس مقصد سے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ نص غدیر کے سلسلے میں خاموشی کیوں اختیار کی گئی تھی ۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت عمر کو ان چھ افراد کے خیالات اور ان کے طبعی رجحانات کا علم تھا تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اپنی طرف سے عثمان بن عفان کو خلافت کے لیے نامزد کر دیا تھا ، یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ انہیں پہلے سے علم تھا کہ یہ چھ رکنی کمیٹی علی بن ابی طالب ع کے حق میں فیصلہ نہیں دے گی ۔

یہاں میں ذرا رک کر اہل سنت اور ان سب لوگوں سے شوری اور آزادی خیال کے اصول پر فخر کرتے ہیں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ شوری کے اصول میں اور اس نظریے میں جو عمر نے ایجاد کیا تھا کیسے ہم آہنگی پیدا کریں گے کیونکہ اس چھ رکنی کمیٹی کو مسلمانوں نے نہیں بلکہ حضرت عمر نے اپنی رائے سے منتخب اور مقرر کیا تھا ۔ اس صورت میں ہمیں کم از کم یہ اعتراف کر لینا چاہیے کہ اس نظریے کے مطابق اسلام میں حکومت کا نظام جمہوری نہیں ہے جیسا کہ شوری اور انتخاب کے حامی فخریہ دعویٰ کرتے ہیں ۔

اس بنیاد پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شاید عمر شوری کے قائل نہیں تھے وہ خلافت کو صرف مہاجرین کا حق سمجھتے تھے ۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حضرت ابو بکر کی طرح ان کا خیال یہ تھا خلافت صرف قریش سے مخصوص ہے کیونکہ مہاجرین میں تو بہت سے غیر قریشی بھی تھے بلکہ غیر عرب بھی تھے ۔ اس لیے سلمان فارسی ، عمار ، بلال حبشی ، صہیب رومی ، ابو ذر غفاری اور ہزاروں دوسرے صحابہ جو قریشی نہیں تھے ، انہیں کوئی حق نہیں تھا کہ وہ خلافت کے معاملے میں کچھ بولیں ۔ یہ محض دعویٰ نہیں ۔ حاشا وکلا ! یہ ان کا عقیدہ تھا جو انہی کی زبانی تاریخ اور حدیث میں محفوظ ہے ۔ آئیے ، اس خطبے کو دوبارہ دیکھیں جو بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں قلمبند کیا ہے :

عمر بن خطاب کہتے ہیں کہ : میرا ارادہ بولنے کا تھا ۔ میں نے ایک تقریر جو مجھے اچھی لگی تیار کر لی تھی۔ یہ تقریر میں نے ابوبکر سے پہلے کرنا چاہتا تھا ۔ میں کسی حد تک ہوشیار ی سے کام لے رہا تھا ۔ جب میں نے بولنا چاہا ، ابو بکر نے کہا : ٹھہرو ! میں خاموش ہو گیا کیونکہ میں ابوبکر کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا ۔ اس کے بعد ابو بکر نے خود تقریر کی ۔ وہ میری نسبت زیادہ متانت اور وقار سے بولے ۔ میری تیار کی ہوئی تقریر میں کوئی ایسا لفظ نہیں تھا جو مجھے اچھا لگتا ہو ، اور ابو بکر نے فی البدیہ وہی لفظ یا اس سے بہتر لفظ استعمال نہ کیا ہو ۔ ابو بکر نے انصار کو مخاطب کر کے کہا : تم نے جو اپنے فضائل ومحاسن بیان کیے ہیں واقعی تم ان کے مستحق

ہو ، لیکن جہاں تک اس معاملہ کا تعلق ہے یہ قریش کا حق ہے (63)

اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر اور عمر شوری اور آزادی اظہار کے اصول کے قائل نہیں تھے ۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ ابوبکر نے اپنی تائید میں انصار کے سامنے یہ حدیث نبوی پیش کی کہ "الخلافة فی قریش" اس میں شک نہیں کہ یہ صحیح حدیث ہے ، لیکن اس کی اصل وہ حدیث ہے جو بخاری ، مسلم اور سنی اور شیعہ تمام حدیث کی مستند کتابوں کی متفقہ روایت ہے کہ رسول اللہ ص نے فرمایا :

"الخلفاء من بعدی اثنا عشر کلہم من قریش"

میرے بعد بارہ خلفاء ہوں گے جو سب قریش میں سے ہوں گے ۔ اس سے بھی زیادہ واضح یہ حدیث ہے :

"لا یزال هذا الأمر فی قریش ما بقي من الناس اثنان."

یہ چیزیں قریش ہی میں رہے گی جب تک دو آدمی بھی باقی ہیں ۔ (64) ایک اور حدیث ہے کہ

"الناس تبع لقریش فی الخیر والشر." (65)

سب لوگ قریش کے تابع ہیں بھلائی میں بھی ، برائی میں بھی ، برائی میں بھی ۔ جب سب مسلمان ان احادیث پر یقین رکھتے ہیں تو کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ نے خلافت کا معاملہ مسلمانوں پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ باہمی مشورے سے جسے چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں ، آپ ہی انصاف سے بتائیں کیا یہ تضاد نہیں ؟

اس تضاد سے چھٹکارا صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم ائمہ اہل بیت ع ان کے شیعہ اور بعض علمائے اہل سنت کا یہ قول تسلیم کرلیں کہ جناب رسول اللہ ص نے خود خلفاء کے ناموں اور ان کی تعداد کی تصریح کردی تھی ۔ اس طرح ہم عمر کا موقف بھی بہتر طور پر سمجھ سکیں گے جو ان کے اپنے اجتہاد پر مبنی تھا ۔ وہ نص کو علی کے حق میں جو قریش میں سب سے چھوٹے تھے ، قبول کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ مذکورہ بالا حدیث کا اطلاق عمومی طور سب قریش پر کرتے تھے ۔

اسی وجہ انہوں نے اپنے مرنے قبل چھ ممتاز قریشیوں کی ایک کمیٹی قائم کی تھی تاکہ احادیث نبوی کے درمیان کہ خلافت پر صرف قریش کا حق ہے ، ہم آہنگی پیدا کرسکیں ۔

اس کے باوجود کہ یہ پہلے سے معلوم تھا کہ اس کمیٹی کے ارکان علی ع کا انتخاب نہیں کریں گے ، پھر بھی علی ع کو اس کمیٹی میں شامل کرنا شاید اس کی ایک تدبیر تھی کہ علی ع کو مجبور کیا جائے کہ وہ بھی آجکل کی اصطلاح کے مطابق سیاست کے کھیل میں شامل ہوجائیں تاکہ ان کے شیعوں اور حامیوں کے پاس جو ان کی اولیت کے قائل ہیں کوئی دلیل باقی نہ رہے ۔ لیکن امام علی ع نے اپنے ایک خطبہ میں عوام کے سامنے اس پر گفتگو کی ۔ آپ نے کہا :

میں نے بہت دن صبر کیا اور بہت تکلیف اٹھائی ۔ آخر جب وہ (خلیفہ) دنیا سے جانے لگا تو معاملہ ایک جماعت کے ہاتھ میں سونپ گیا اور مجھے بھی اس جماعت کی ایک فرد خیال کیا ، جبکہ واللہ مجھے اس شوری سے کوئی لگاؤ نہیں تھا ۔ ان میں کے پہلے صاحب (ابوبکر) کی نسبت میری فضیلت میں شک ہی کب تھا جو اب ان لوگوں نے مجھے اپنے جیسا سمجھ لیا ہے ؟ (لیکن میں جی کڑا کر کے شوری میں حاضر ہو گیا) اور نشیب و فراز میں ان کے ساتھ ساتھ چلامگر ان میں سے ایک نے بغض و حسد کے مارے میرا ساتھ نہ دیا اور دوسرا دامادی اور ناگفتہ بہ باتوں کی وجہ سے ادھر جھک گیا ۔ (66)

چھوٹی بات یہ ہے امام علی ع نے ہر دلیل پیش کی گئیں بے سود ۔ کیا امام علی ع ان لوگوں سے بیعت کی بھیک مانگتے جنہوں نے ان سے منہ پھیر لیا تھا ، اور جن کے دل دوسرے کی طرف جھک گئے تھے ۔ اور جو امام

علی ع سے اس لیے حسد کرتے تھے کہ ان پر اللہ کا فضل تھا یا اس لیے بغض رکھتے تھے کہ امام علی ع نے ان کے سرداروں کو قتل کیا تھا ، ان کے بہادروں کو کچل دیا تھا ، ان کی عزت خاک میں ملا دی تھی ، ان کو نیچا دکھایا تھا ، ان کا غرور اپنی بہادری سے توڑ دیا تھا ، یہاں تک کہ وہ اسلام لانے اور اطاعت کرنے پر مجبور ہو گئے ۔ اس پر بھی علی ع سربلند تھے اور اپنے ابن عم کا دفاع کرتے تھے ۔ انہیں اللہ کے راستے میں کسی کی ملامت کی پروا نہیں تھی ۔ دنیا کی کوئی شے ان کے عزم کو متزلزل نہیں کرسکتی تھی ۔ رسول اللہ ص کو اس کا بخوبی علم تھا اور ہر موقع پر اپنے چچا زاد بھائی کے فضائل ومحاسن بیان کیا کرتے تھے کبھی فرماتے :

"حَبِّ عَلِيٍّ إِيْمَانٌ وَبُغْضُهُ نِفَاقٌ" (67)

علی کی محبت ایمان اور علی سے بغض نفاق ہے ۔
کبھی کہتے :

"عَلِيٌّ مِّنِّي وَأَنَا مِّنْ عَلِيٍّ" (68) علی ع مجھ سے ہے اور میں علی ع سے ہوں ۔
"عَلِيٌّ وَلِيٌّ كُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِي" (69) علی ع میرے بعد ہر مومن کے سرپرست ہیں ۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا:
"عَلِيٌّ بَابُ مَدِيْنَةِ عِلْمِي وَأَبُو وَلَدِي" (70)

علی ع میرے شہر علی کا دروازہ اور میرے بچوں کے باپ ہیں ۔ آپ نے فرمایا :
"عَلِيٌّ سَيِّدُ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامُ الْمُتَّقِيْنَ وَقَائِدُ الْغُرِّ الْمَحْجَلِيْنَ" . (71)

علی ع مسلمانوں کے سردار ، متقیوں کے پیشوا اور ان لوگوں کے سالار ہیں جو روز قیامت سرخرو ہوں گے ۔ لیکن افسوس کہ اس سب کے باوجود ان لوگوں کا حسد اور بغض بڑھتا ہی گیا اس لیے اپنی وفات سے چند روز قبل رسول اللہ ص نے علی ع کو بلا کر گلے سے لگایا اور روتے ہوئے کہا :
علی ! میں جانتا ہوں کہ لوگوں کے سینوں میں تمہاری طرف سے جو بغض ہے وہ میرے بعد کھل کر سامنے آجائے گا ۔ لہذا اگر تم سے بیعت کریں تو قبول کر لینا ورنہ صبر کرنا ، یہاں تک کہ تم مظلوم ہی میرے پاس آ جاؤ ۔ (72)

پس اگر ابو الحسن ع نے ابو بکر کی جبری بیعت کے بعد صبر کیا ، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ نے انہیں وصیت کی تھی ۔ اس کی مصلحت صاف ظاہر ہے ۔
پانچویں بات یہ کہ پچھلی باتوں کے ساتھ ایک اور بات کا اضافہ کر لیجیے ۔ مسلمان جب قرآن کریم پڑھتا ہے اور اس کی آیات پر غور کرتا ہے ، تو اسے ان قرآنی قصوں سے جن میں پہلی امتوں کا ذکر ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں ہم سے بھی زیادہ ناخوشگوار واقعات پیش آئے ۔
یہ دیکھئے !

<>قابیل نے اپنے بھائی کا سفاکی سے قتل کر دیا ۔

<>جد الانبیاء حضرت نوح ع کی ہزار سالہ کوشش کے بعد بھی بہت کم لوگ ان پر ایمان لائے ۔ ان کا اپنا بیٹا اور بیوی کافر تھے ۔

<>حضرت لوط کے گاؤں میں صرف ایک ہی گھر مومنین کا تھا ۔

<>فراعنہ جنہوں نے دنیا میں کبریائی کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو اپنا غلام بنایا ان کے یہاں صرف ایک فرد مومن تھا ، وہ بھی تقیہ کیے ہوئے تھا یعنی اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا ۔

<>حضرت یوسف ع کے بھائیوں کو لیجیے ، انہوں نے حسد کی وجہ سے اپنے بے قصور بھائی کے قتل کی سازش کی اور اسے محض اس لیے قتل کرنا چاہا کہ وہ ان کے باپ حضرت یعقوب کو زیادہ محبوب تھا ۔

>اور یہ بنی اسرائیل ہیں ، انہیں اللہ نے حضرت موسیٰ ع کے ذریعے نجات دلائی ، ان کے لیے سمندر کے پانی کو پھاڑ دیا ۔ انہیں جہاد کی تکلیف بھی نہیں اٹھانی پڑی اور اللہ نے ان کے دشمنوں ، فرعون اور اس کے لشکریوں کو ڈبو دیا ۔ مگر ہوا کیا؟ ابھی سمندر سے باہر نکل کر ان کے پاؤں سوکھے بھی نہیں تھے کہ یہ ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جو بتوں کی پوجا کرتی تھی تو کہنے لگے : "موسیٰ! جیسے ان کے دیوتا ہیں ، ویسا ہی ایک دیوتا ہمارے لیے بھی بنادو ۔ موسیٰ نے کہا : تم تو جاہل لوگ ہو ۔ اور جب موسیٰ اپنے پروردگار سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئے اور اپنی عدم موجودگی میں اپنے بھائی ہارون کو اپنا قائم مقام کر گئے تو لوگوں نے ان کے خلاف سازش کی اور قریب تھا کہ انہیں مار ڈالتے ۔ یہی نہیں انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر ایک بچھڑے کی پوجا شروع کردی ۔ اس قوم کے لوگوں نے بہت سے انبیاء کو قتل کیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ"

کیا ایسا نہیں ہوا کہ جب کبھی کوئی رسول تمہارے پاس وہ کچھ لایا جو تمہیں پسند نہیں تھا تو تم نے سرکشی اختیار کی اور کچھ کو جھٹلایا اور کچھ کو قتل کر دیا؟ (سورہ بقرہ ۔ آیت 87)

>حضرت یحییٰ کو دیکھیے! وہ نبی تھے ، پاک دامن تھے اور نیک تھے انہیں قتل کیا گیا اور ان کا سرتحفہ کے طور پر بنی اسرائیل کی ایک رنڈی کو بھیج دیا ۔

>یہود و نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے اور صلیب پر چڑھانے کی سازش کی ۔ خود اس امت محمدیہ نے تیس ہزار کا لشکر رسول اللہ ص کے لخت جگر اور اہل جنّت کے سردار امام حسین ع کو قتل کرنے کے لیے تیار کیا ۔ حالانکہ ان کے ساتھ فقط ستر بہتر اصحاب تھے ۔ لیکن ان لوگوں نے امام حسین ع اور ان کے سب اصحاب کو قتل کر دیا ۔ حدیہ ہے کہ امام ع کے دودھ پیتے بچے تک کو نہ چھوڑا ۔

اس کے بعد حیرت کی کون سی بات باقی رہ جاتی ہے ؟ رسول اللہ ص نے خود اپنے اصحاب سے فرمایا تھا :

تم جلد اپنے سے پہلوں کے طور، طریقوں پر چلو گے ۔ تم وجب بہ وجب اور ذرا ذراع یعنی ہو بہو ان کا اتباع کرو گے ۔ اگر وہ گواہ کے بھٹ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی اس میں گھس جاؤ صحابہ نے پوچھا : کیا آپ کی مراد یہود و نصاریٰ سے ہے ؟ آپ نے فرمایا : تو اور کس سے ؟ (73)

حیرت کیسی ! ہم خود بخاری و مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا یہ قول پڑھتے ہیں :

"قیامت کے دن میرے اصحاب کو بائیں طرف لایا جائے گا تو میں پوچھوں گا : انہیں کدھر لے جا رہے ہو؟ کہا جائے گا : جہنم کی طرف ۔ میں کہوں گا : اے میرے پروردگار ! یہ تو میرے اصحاب ہیں ۔ کہا جائے گا : آپ کو معلوم نہیں ، انہوں نے آپ کے بعد دین میں بدعت پیدا کی ۔ میں کہوں گا : دور ہو وہ جس نے میرے بعد دین میں تبدیلی کی میں دیکھتا ہوں کہ ان میں سے بہت ہی کم نجات پائیں گے ۔ (74)

ایک اور حدیث ہے کہ

میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جو سب کے سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے " (75)

سچ کہا ربّ العزّت نے جو دلوں کے بھید جاننے والا ہے وہ فرماتا ہے :

" وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِي "

گو آپ کا کیسا ہی جی چاہے ، اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں (سورہ یوسف ۔ آیت 103)

" بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُم لِلْحَقِّ كَارِهُونَ "

بلکہ یہ رسول ان کے پاس حق لے کر آئے لیکن ان میں سے بیشتر حق کو ناپسند کرتے ہیں ۔ (سورہ مومنون ۔ آیت 70)

" لَقَدْ جِئْنَاكُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ "

ہم نے حق تم تک پہنچادیا لیکن تم میں اکثر حق سے بیزار ہیں۔ (سورہ زخرف۔ آیت 78)

" أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ "

یاد رکھو! اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (سورہ یونس۔ آیت 55)

" يُرْضُونَكَ بِأَقْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ "

تمہیں باتوں سے خوش کرتے ہیں اور دل ان کے انکاری ہیں اور زیادہ تر ان میں بد عمل ہیں۔ (سورہ توبہ، آیت 8)

" إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ "

بے شک اللہ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے لیکن ان میں سے اکثر ناشکر ہیں۔ (سورہ یونس۔ آیت 50)

" يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ "

یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس اس کا انکار کرتے ہیں اور اکثر ان میں سے کافر ہیں۔ (سورہ نحل۔ آیت 83)

" وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لَهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا "

ہم اس (پانی) گو ان کے درمیان تقسیم کردیتے ہیں تاکہ وہ غور کریں۔ تاہم اکثر لوگ ناشکرے ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ (سورہ فرقان۔ آیت 50)

" وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ "

ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں پھر بھی شرک کیے جاتے ہیں۔ (سورہ یوسف۔ آیت 106)

" بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُونَ "

لیکن اکثر لوگ حق سے ناواقف ہیں اس لیے اس سے روگردانی کرتے ہیں۔ (انبیاء۔ آیت 24)

" أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ (۵۹) وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَتَّبِعُونَ (۶۰) وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ (۶۱) "

کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں، تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔ (سورہ نجم۔ آیات 59-61)

حسرت و افسوس

یہ واقعات پڑھ کر نہ صرف مجھے بلکہ ہر مسلمان کو افسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے امام علی ع کو خلافت سے دور رکھ کر اپنا کتنا بڑا نقصان کردیا۔ امت نہ صرف ان کی حکیمانہ قیادت سے محروم ہوگئی بلکہ ان کے علوم کے بحر ذخار سے بھی صحیح معنی میں استفادہ نہ کرسکی۔

اگر مسلمان تعصب اور جذباتیت سے بالا ہوکر دیکھیں تو انہیں تو انہیں صاف نظر آئیگا رسول اعظم کے بعد علی ع ہی اعلم الناس ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ علمائے صحابہ جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تھی تو حضرت علی ع ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ فتویٰ دے کر ان کی مشکل کشائی فرماتے تھے۔ عمر بن خطاب تو اکثر کہا کرتے تھے۔

"لولا عليٌّ لَهلك عمر".

اگر علی ع نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا ہوتا۔ (76)

یہ بھی یاد رہے کہ خود امام علی علیہ السلام نے کبھی کسی صحابی سے کچھ بھی نہیں پوچھا تاریخ معترف ہے

کہ علی ابن ابی طالب ع صحابہ میں سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ طاقتور تھے۔ کئی موقعوں پر ایسا ہوا کہ دشمن نے پیش قدمی کی تو بہادر صحابہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے لیکن امام علی ع ہر موقع پر ثابت قدم رہے۔ اس کی دلیل کے لیے وہ امتیازی سند کافی ہے جو رسول اللہ ص نے اس وقت عطا فرمائی جب آپ نے یہ کہا کہ

" کل میں اس شخص کو علم دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔ جو آگے بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے، پیٹھ دکھانے والا نہیں! اللہ نے اس کے دل کو ایمان کے لیے جانچ لیا ہے۔

سب صحابہ کی نظریں علم پر لگی تھیں مگر رسول اللہ نے علم علی بن ابی طالب ع کو عطا فرمایا۔ (77) مختصر یہ کہ علم و حکمت اور قوت و شجاعت امام علی ع کی ایسی خصوصیات ہیں جن سے شیعہ و سنی سب ہی واقف ہیں اور اس بارے میں دوراتیں نہیں ہوسکتیں (78) نص غدیر سے قطع نظر جس سے امام علی ع کی امامت ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کریم قیادت و امامت کا مستحق صرف عالم، شجاع اور قوی کو قرار دیتا ہے۔ علماء کی پیروی واجب ہونے کے بارے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے :

" أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يُهْدَىٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ "

کیا وہ شخص جو حق کا راستہ دکھائے زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو اس وقت تک راستہ نہیں دکھاسکتا جب تک خود اسے راستہ نہ دکھایا جائے تمہیں کیا ہوگیا ہے، تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ (سورہ یونس۔ آیت 35)

بہادر اور جری کی قیادت کے واجب الاتباع ہونے کے بارے میں قرآن کریم میں ہے :-
" قَالُوا أَتَىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ "

وہ کہنے لگے : اسے ہم پر حکمرانی کا حق کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ بہ نسبت اس کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور اس کو تو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی۔ پیغمبر نے جواب میں کہا : اول تو اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے مقابلے میں منتخب فرمایا ہے دوسرے یہ کہ علم اور جسامت دونوں میں اللہ نے اس کو زیادتی دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وسعت دینے والا، جاننے والا ہے۔ (سورہ بقرہ۔ آیت 246)

اللہ تعالیٰ نے امام علی ع کو بہ نسبت دوسرے صحابہ کے علم میں بڑی وسعت عطا کی تھی اور وہ صحیح معنی میں شہر علی کا دروازہ تھے۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد صحابہ ان ہی سے رجوع کرتے تھے۔ صحابہ کو جب کوئی ایسا مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تھا جسے وہ حل نہیں کرپاتے تھے تو کہا کرتے تھے :

"معضلةٌ وَّليْسَ لَهَا إِلَّا أَبُو الْحَسَنِ "

یہ وہ مشکل ہے جسے ابو الحسن کے سوا کوئی حل نہیں کرسکتا (79)

امام علی ع کو اللہ تعالیٰ نے جسم میں بھی وسعت عطا فرمائی تھی بہ این معنی کہ وہ واقعی اسد اللہ الغالب تھے۔ ان کی قوت و شجاعت صدیوں سے زبان زد خاص و عام ہے۔ مورخین نے ان کی قوت و شجاعت کی ایسی داستانیں رقم کی ہیں جو معجزہ سے کم نہیں۔ مثلاً :

- باب خیبر کو اکھاڑنا جسے بعد میں 20 صحابی مل کر ہلا بھی نہ سکے (80)
- کعبے کی چھت پر سے بڑے بت ہبل کو اکھاڑنا۔ (81) اور

• اس مضبوط چٹان کو الٹ دینا جسے پورا لشکر بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ (82)

جب بھی موقع ہوتا رسول اللہ ص اپنے چچازاد بھائی کی خوبیاں اور فضائل بیان فرماتے اور لوگوں کو ان کی

خصوصیات اور امتیازات سے باخبر کرتے رہتے تھے۔ کبھی فرماتے :

"إِنَّ هَذَا أَخِي وَصِيِّي وَخَلِيفَتِي مِنْ بَعْدِي فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوهُ."

یہ میرے بھائی ، میرے وصی اور میرے بعد میرے خلیفہ ہیں اس لیے ان کی بات سنو اور جو کچھ وہ کہیں اس

پر عمل کرو (83)

کبھی فرماتے :

"أَنْتَ مَنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ لَأَنْبِي بَعْدِي."

یعنی جو نسبت ہارون کو موسی سے تھی وہی نسبت تمہیں مجھ سے ہے ، بس یہ فرق ہے کہ میرے بعد کوئی

نبی نہیں ہوگا۔ (84)

کبھی فرماتے :

"مَنْ أَرَادَ أَنْ يَحْيَا حَيَاتِي وَيَمُوتَ مَمَاتِي وَيَسْكُنَ جَنَّةَ الْخُلْدِ الَّتِي وَعَدَنِي فَلْيُؤَالِ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فَإِنَّهُ لَنْ يَخْرُجَكُمْ مِنْ هُدًى وَلَنْ يَدْخُلَكُمْ فِي ضَلَالَةٍ."

جو کوئی یہ چاہتا ہے کہ میری طرح جیے اور میری موت مرے اور خلد بریں میں رہے جس کا مجھ سے میرے

پروردگار نے وعدہ کیا ہے اسے چاہے کہ علی بن ابی طالب ع کا دوست بن جائے کیونکہ علی ع تمہیں کبھی

ہدایت کے دائرہ سے خارج نہیں کریں گے اور نہ کبھی گمراہی کے دائرے میں داخل کریں گے۔ (85)

سیرت رسول ص کا متبع کرنے والے کو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ص نے کبھی صرف اقوال پر اکتفاء نہیں فرمایا

بلکہ ان اقوال پر عمل بھی کر کے دکھایا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنی زندگی میں کسی صحابی کو علی ع پر امیر

مقرر نہیں فرمایا جب کہ دوسرے صحابہ ایک دوسرے پر امیر مقرر ہوتے رہتے تھے۔ غزوہ ذات السلاسل میں ابو

بکر اور عمر پر عمر و بن عاص کو امیر مقرر فرمایا تھا (86)

اسی طرح آپ نے تمام کبار صحابہ پر ایک کم عمر نوجوان اسامہ بن زید کو اپنی وفات سے کچھ قبل امیر مقرر

فرمادیا تھا۔ مگر علی بن ابی طالب ع کو جب بھی کسی دستہ کے ساتھ بھیجا آپ ہی امیر ہوئے۔

ایک مرتبہ آپ نے دو دستے روانہ فرمائے ایک کا امیر علی کو بنایا اور دوسرے کا خالد بن ولید کو۔ اس موقع پر

آپ نے کہا کہ تم دونوں الگ الگ رہو تو تم میں سے ہر ایک اپنے لشکر کا امیر ہے لیکن اگر اکٹھے ہوجاؤ تو علی ع

پورے لشکر کے سالا ہوں گے۔

اس تمام بحث سے ہمارے نزدیک یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے بعد علی ع ہی مومنین کے ولی ہیں اور

کسی کو ان سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔ لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے اس سلسلے میں

سخت نقصان اٹھایا اور آج اٹھارہویں ہیں کیونکہ اس وقت جو بویا تھا اسی کا پھل کاٹ رہے ہیں۔ اگلوں نے جو

بنیاد رکھی تھی پچھلوں نے اس کا انجام دیکھ لیا! کیا علی ع کی خلافت سے بہتر خلافت راشدہ کا کوئی تصور

کر سکتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ص نے اس بارے میں جو پسند کیا تھا اگر مسلمان اس کا اتباع کرتے تو علی

ع ایک ہی طریقے پر اس امت کی قیادت تیس سال تک بالکل اسی طرح کر سکتے تھے جیسے رسول اللہ ص نے

کی تھی۔ یہ اس لیے ضروری تھا کہ ابو بکر اور عمر نے متعدد موقعوں پر اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور بعد

میں ان کا اجتہاد بھی ایسی سنت بن گیا جس کی پیروی ضروری خیال کی جانے لگی تھی۔ جب عثمان خلیفہ

ہوئے تو انہوں نے اور بھی

زیادہ تبدیلیاں کیں۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ص اور سنت شیخین سب کو بدل دیا۔ اس پر صحابہ نے اعتراض بھی کیا: اور بالآخر ایک عوامی انقلاب میں خود ان کی جان بھی گئی لیکن اس سے امت میں ایسا فتنہ پیدا ہوا کہ آج تک اس کے زخم مندمل نہیں ہو سکے۔

اس کے برخلاف علی ع سختی سے قرآن و سنت کی پابندی کرتے تھے اور ان سے سرموانحراف کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اس وقت خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا جب ان پر یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ص کے ساتھ سنت شیخین کا بھی اتباع کریں گے پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے کہ علی ع کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی پابندی پر اس قدر زور کیوں دیتے تھے جب کہ ابو بکر، عمر اور عثمان اجتہاد اور تغیر پر مجبور ہو گئے تھے؟

اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ علی ع کے پاس وہ علم تھا جو اور کسی کے پاس نہیں تھا۔ رسول اللہ ص نے انہیں خاص طور پر علم کے ہزار دروازوں سے ممتاز فرمایا تھا اور ان ہزاروں میں سے ہر ایک سے ہزار اور دروازے کھلتے تھے (87)۔ رسول اللہ ص علی سے کہا تھا کہ:

"اے علی! میرے بعد میری امت میں جن امور کے بارے میں اختلاف ہوگا تم ان کو صاف صاف بیان کرو گے (88)۔ رہے دوسرے خلفاء! انہیں قرآن کی تاویل تو درکنار قرآن کے بہت سے ظاہری احکام بھی معلوم نہیں تھے۔ مثلاً، بخاری اور مسلم کے باب التیمم میں ایک روایت ہے کہ کسی شخص نے عمر بن خطاب سے ان کے ایام خلافت میں پوچھا: امیر المومنین! میں جنب ہو جاؤں اور پانی نہ ملے تو کیا کروں؟ عمر نے کہا تو ایسی صورت میں نماز نہ پڑھو۔

اسی طرح انہیں "کلالۃ" (89) کا حکم معلوم نہیں تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ "کاش میں "کلالۃ" کا حکم رسول اللہ ص سے پوچھ لیتا۔" حالانکہ یہ حکم قرآن میں مذکور ہے۔

کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ بات تھی تو امام علی ع نے ان امور کی وضاحت کیوں نہ کردی جن میں رسول اللہ ص کی وفات کے بعد اختلاف پیدا ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس مسئلے میں بھی امت کو مشکل پیش آئی، امام علی ع نے اس کے بیان کرنے میں کوئی کسے نہیں چھوڑی۔ ہر مشکل میں صحابہ ان ہی سے رجوع کرتے تھے، وہ ہر بات کی وضاحت کرتے تھے، مسئلے کا حل بیان کرتے تھے اور نصیحت کرتے تھے۔ مگر صحابہ کو جو بات پسند آتی تھی اور جو ان کی سیاست سے متصادم نہیں ہوئی تھی وہ اسے قبول کر لیتے تھے اور باقی کو چھوڑ دیتے تھے۔ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس کی سب سے بڑی گواہ خود تاریخ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر علی بن ابی طالب ع اور ان کی اولاد میں سے ائمہ نہ ہوتے تو عوام اپنے دین کی امتیازی خصوصیات سے ناواقف ہی رہتے۔ لیکن لوگ۔ جیسا کہ قرآن نے ہمیں بتایا ہے۔ حق کو پسند نہیں کرتے، اس لیے انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی شروع کر دی اور ائمہ اہل بیت ع کے بالمقابل نئے نئے مذاہب ایجاد کر لیے۔ ادھر حکومتیں بھی ائمہ اہل بیت پر پابندیاں عائد کرتی تھیں اور انہیں کہیں آنے جانے اور لوگوں سے براہ راست رابطہ قائم کرنے کی آزادی نہیں دیتی تھیں۔ امام علی ع منبر پر سے فرمایا کرتے تھے:

"سلو نی قبل أن تفقدونی! لوگو! اس سے پہلے کہ میں تم میں نہ رہوں، جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو۔ امام ع کے علم و فضل کی یہی ایک دلیل کافی ہے کہ آپ نے نہج البلاغہ جیسا عظیم علمی سرمایہ چھوڑا۔ ائمہ اہل بیت ع نے علم کی اس قدر کثیر مقدار چھوڑی ہے کہ اس نے چار دانگ عالم کو بھر دیا۔ سب ہی ائمہ مسلمین خواہ سنی ہوں خواہ شیعہ اس کے گواہ ہیں۔ اس بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر قسمت علی ع

کا ساتھ دیتی اور انہیں سیرت رسول ص کے مطابق تیس سال تک امت کی قیادت کرنے موقع ملتا تو اسلام عام ہوجاتا اور اسلامی عقائد لوگوں کے دلوں میں پختگی کے ساتھ جاگزیں ہوجاتے ، پھر نہ کوئی فتنہ صغری ہوتا نہ کوئی فتنہ کبری ، نہ واقعہ کربلا ہوتا نہ یوم عاشورا ۔

اگر علی ع کے بعد گیارہ ائمہ کو قیادت کا موقع ملتا جن کا تعلق رسول اللہ ص نے کیاتھا اور جن کی مدت حیات تقریباً تین صدی پرمحیط ہے ، تو دنیا میں ہر جگہ صرف مسلمان ہوتے اور کرہ ارض کی تقدیر بدل جاتی اور ہماری زندگی صحیح معنی میں انسانی زندگی ہوتی ۔ مگر اللہ تعالیٰ کا تو فرمان ہے :

"الْم () أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ()"

کیا ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو امتحان میں نہیں ڈالا جائیگا ۔ (سورہ عنکبوت ۔ آیت 1-2)

امم سابقہ کی طرح مسلم امہ بھی اس امتحان میں ناکام رہی ۔ اس کی تصریح متعدد موقعوں پر خود رسول اللہ نے فرمائی (90) اور اسی طرح قرآن کریم متعدد آیات میں بھی اس کی صراحت ہے ۔ (91) انسان وہ ناانصاف اور جاہل ہستی ہے

جس کے بارے میں رسول اللہ ص نے فرمایا ہے :

"لن يدخل الجنة أحد بعمله إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَهُ اللَّهُ بِرَحْمَتِهِ وَفَضْلِهِ"

کوئی شیخ جس جنت میں اپنے اعمال کی وجہ سے داخل نہیں ہوگا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمادے اور اسے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے ۔ (92)

بحث کے آخر میں کچھ تبصرہ

میں اس طرح کے اقوال دیکھ کر اکثر دانشوروں اور پروفیسروں کی مجلس میں اس پر افسوس کیا کرتا تھا کہ خلافت اس کے صحیح حقدار علی بن ابی طالب ع کے ہاتھ سے نکل گئی ۔ آخر ایک دن ان میں سے ایک پروفیسر صاحب نے یہ کہہ کر مجھ پر اعتراض کیا کہ

"علی بن ابی طالب ع نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے کیا کیا ہے؟ انہوں نے اپنی پوری زندگی خلافت کی تگ و

دو میں گزاری اور اس کے لیے ہزاروں مسلمانوں کو مروادیا ۔ اس کی ساری جنگیں خلافت ہی کے لیے تھیں ۔ اس کے برعکس ان سے پہلے خلفائے ثلاثہ نے اپنی زندگی اسلام کی اشاعت میں صرف کردی اور عمر بھر اسلام کی عزت ووقار کے لیے کام کیا ۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے ملک فتح کیے اور شہر آباد کیے ۔ اگر ابو بکر صدیق نہ ہوتے تو عرب اسلام سے مرتد ہوگئے ہوتے ۔ اور اگر عمر بن خطاب نہ ہوتے تو ایران اور روم اسلام کی اطاعت قبول نہ کرتے ۔ اور اگر عثمان بن عفان نہ ہوتے تو آج آپ مسلمان نہ ہوتے" (93)

پھر ان صاحب نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا :

جب علی ع کو خلافت ملی تو انہوں نے وہ طوفان کھڑا کیا کہ سارا کاروبار خلافت ہی درہم برہم کردیا ۔ انتظام

بگڑ گیا اور وہ اسلام جو ان خلفاء کے عہد میں طاقتور تھا ، جن کی تیجانی صاحب تنقیص کرتے اور جن کی

نیکی اور پارسائی میں شک پیدا کرتے ہیں ، وہ پیچھے ہٹنے اور ناکام ہونے لگا ۔ اب اس آخری الزام کا جس پر

انہوں نے اپنی بات ختم کی میں کیا جواب دیتا بہر حال میں نے اپنے آپ کو قابو میں رکھا اور جوش میں نہیں

آیا ۔ میں نے استغفار پڑھ کر کہا :

"برادران عزیز! یہ پروفیسر صاحب جو کچھ کہہ رہے ہیں آپ اس سے متفق ہیں؟ اکثر نے کہا: ہاں اور بعض نے جواب نہیں دیا، خواہ اسے لیے کہ میرا لحاظ کیا یا اس لیے کہ انہیں ان صاحب کی باتوں پر یقین نہیں تھا۔ میں نے کہا کہ آپ کی اجازت سے میں پروفیسر صاحب کی ایک ایک بات کو لے کر اس پر گفتگو کروں گا، اس کے بعد فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے۔ خواہ آپ میرے حق میں فیصلہ دیں خواہ میرے خلاف۔ میں آپ سے صرف یہ چاہوں گا کہ آپ حق کا ساتھ دیں اور تعصب سے کام نہ لیں۔

سب نے کہا: بسم اللہ فرمائیے!

میں نے کہا: "پہلی بات تو یہ ہے کہ علی بن ابی طالب ع نے اپنی تمام زندگی خلافت کی تگ و دو میں نہیں گزاری، جیسا کہ پروفیسر صاحب نے فرمایا ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ خلافت سے گریزاں تھے۔ اگر وہ خلافت کے پیچھے دوڑتے تو رسول اللہ ص کی تجہیز و تکفین کو چھوڑ کر دوسروں کی طرح جلدی سقیفہ پہنچتے اور وہاں انہیں کی بات ور رہتی خصوصاً ایسی حالت میں کہ اکثر صحابہ ان کی رائے سے اتفاق کرتے تھے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جب ابو بکر کی موت کے بعد خلافت حضرت عمر کو مل گئی، جب بھی انہوں نے صبر سے کام لیا اور کوئی مخالفت نہیں کی۔ پھر عمر کے بعد جب انہیں خلافت کی پیش کش ہوئی تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اس پیشکش کے ساتھ جو شرائط تھیں وہ ان کے لیے قابل قبول نہیں تھیں۔ اس سے پروفیسر صاحب کے خیالات کی بالکل تردید ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اگر علی ع خلافت کے پیچھے دوڑ رہے ہوتے تو ان کا کیا نقصان تھا، وہ سنت شیخین پر عمل کی شرائط کو منظور کر لیتے اور پھر جو دل چاہتا کرتے جیسا کہ عثمان نے کیا۔ اسی رویہ سے علی ع کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ علی ع نے اپنی زندگی میں ہ کبھی جھوٹ بولا اور نہ کبھی وعدہ خلافت کی۔ ان ہی اعلیٰ اصولوں کی پابندی کی جہ سے علی ناکام رہے جب کہ دوسرے کامیاب ہو گئے کیونکہ وہ اپنی مقصد برآری کے لیے جو چاہتے سو کرتے تھے۔ مگر علی ع کہا کرتے تھے۔

"میں جانتا ہوں کہ تمہاری بہتری کسی بات میں ہے۔ مگر مجھے تمہاری بہتری کے لیے اپنی بربادی منظور نہیں" سبحان اللہ! کیا کہنا امام ع کی عظمت کا! سب مورخین بیان کرتے ہیں کہ قضیہ سقیفہ کے بعد ابو سفیان نے علی ع کے پاس آکر انہیں خلافت کا لالچ دیا اور کہا کہ میں ابو بکر اور ان کے حلیفوں سے قتال کے لیے آدمیوں کا رویوں کا انتظام کردیتا ہوں تو آپ نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور فرمایا:

"اے ابو سفیان! فتنہ نہ پھیلا، میں جانتا ہوں کہ تیرے دل میں کیا ہے۔ میں مسلمانوں میں فتنہ و آشوب پسند نہیں کرتا، بہتر یہی ہے کہ الگ رہوں اور افتراق پسندی سے اپنا دامن بچائے رکھوں"

اگر آپ خلافت کے پیچھے دوڑتے ہوتے تو اس پیشکش کو ضرور قبول کر لیتے۔ لیکن آپ نے اسلام او مسلمانوں کی سلامتی کی خاطر قربانی دی اور صبر سے کام لیا۔ علی ع ہی نے تو ابن عباس سے کہا تھا کہ تمہاری دنیا کی میرے نزدیک بس اتنی وقعت ہے جتنی اس پتے کی جس کو کوئی ٹڈی اپنے منہ میں لے چبا ڈالے (94) یا اتنی جتنی کسی بکری کی رینٹ کی ہوتی ہے (95)

(ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ جب امیر المومنین امام علی ع اہل بصرہ سے جنگ کے لیے نکلے تو میں مقام ذی قار میں آنجناب کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ اپنا جوتا ٹانگ رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا کہ اے ابن عباس! اس جوتے کی کیا قیمت ہوگی؟ میں نے کہا: اب تو اس کی کچھ بھی قیمت نہ ہوگی۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: "بخدا! اگر میرے پیش نظر حق کی سربلندی اور باطل کی نابودی نہ ہو تو مجھے یہ جوتا تم لوگوں پر حکومت کرنے سے زیادہ عزیز ہے)

تو جناب آپ کا یہ فرمانا کہ علی ع خلافت کے پیچھے دوڑ تھے تھے، اس کی تاریخی واقعات سے تردید ہوجاتی

ہے -

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا یہ دعویٰ کہ انہوں نے خلافت کے حصول کی خاطر ہزاروں مسلمانوں کو قتل کرادیا اور اس کی سب لڑائیاں صرف اسی مقصد کے لیے تھیں تو یہ دعویٰ بھی بالکل جھوٹ اور سراسر بہتان ہے اور حقائق کو مسخ کرنا ہے۔ اگر آپ نے ناواقفیت کی بنا پر ایسا کہا ہے تو اللہ معافی مانگیں اور توبہ استغفار کریں اور اگر آپ نے جان بوجھ کر ایسا کہا ہے تو آپ کی سب معلومات بالکل غلط اور جھوٹ ہیں کیونکہ امام ع کی وہ لڑائیاں جن کا آپ نے ذکر کیا اس کے بعد کی ہیں جب خلافت آپ کے پیچھے دوڑتی ہوئی آپ کے پاس آچکی تھی۔ آپ کو خلافت کے قبول کرنے پر لوگوں نے مجبور کیا تھا بلکہ انکار کرنے کی صورت میں آپ کو قتل کرنے دھمکی بھی دی گئی تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ علی چوتھا ئی صدی تک خاموش اور خانہ نشین رہے۔ اس طویل مدت میں نہ خلفاء کی کسی جنگ میں حصہ لیا اور نہ تلوار میان سے نکالی توجناب! پھر آپ کیسے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی جنگیں خلافت کے حصول کی خاطر تھیں؟ اور کیسے یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حصول خلافت کے لیے ہزاروں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا؟۔ جنگ جمل تو عائشہ (3)، طلحہ اور زبیر نے شروع کی تھی۔ ان ہی لوگوں نے بصرہ

میں داخل ہو کر لوگوں کو قتل کیا تھا اور بیت المال لوٹ لیا تھا (97)۔ جنگ جمل کو جنگ عہد شکنان بھی کہا جاتا ہے کیونکہ طلحہ اور زبیر نے اس وقت بیعت توڑ دی تھی جب امام علی ع نے انہیں کوفے اور بصرے کا والی بنانے سے انکار کر دیا تھا۔ (98)

رہی جنگ صفین تو یہ معاویہ نے گلے منڈھی تھی۔ معاویہ ہی نے ہزاروں مسلمانوں کو قتل کیا۔ سب سے بڑھ کر عمار بن یاسر کو۔ اور یہ سب کچھ خلافت کے حصول کے لیے کیا۔ تو میرے بھائی! آپ کیوں حقائق کو مسخ کرتے ہیں۔ حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ جنگ صفین کی ابتدا معاویہ نے خون عثمان کا دعویٰ لے کر شروع کی تھی لیکن اصل میں معاویہ کا مقصد حکومت پر قبضہ کرنا تھا۔ اس کی گواہی (99) خود معاویہ نے اس خطبہ میں دی جو انہوں نے جنگ کے بعد کوفہ میں داخل ہونے کے بعد دیا تھا۔ معاویہ نے کہا:

"میں نے تمہارے ساتھ اس لیے جنگ نہیں کہ تم نماز پڑھو یا روزے رکھو یا حج کرو اور زکوٰۃ دو۔ یہ سب کام تو تم پہلے کرتے ہو۔ میں نے جنگ تمہارا امیر بننے کے لیے لڑی تھی۔ اللہ نے مجھے اس میں کامیابی دی گو تمہیں یہ بات پسند نہیں تھی۔"

جنگ صفین کو ظالموں اور باغیوں کی لڑائی کہا جاتا ہے۔ رہی جنگ نہروان! یہ خوارج کی لڑائی تھی۔ یہ جنگ بھی باغیوں نے امام علی ع پر مسلط کی تھی۔ یہ ہیں وہ لڑائیاں جو امام علی ع نے لڑیں۔ امام علی ع ہر موقع پر لوگوں کو کتاب اللہ کی طرف بلاتے رہے اور اپنے مخالفین پر حجّت قائم کرتے رہے۔

جناب! آپ کو صرف یہ کرنا ہے کہ آپ تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کریں تاکہ حق و باطل کو پہچان سکیں اور اولیاء اللہ پر بیجا الزام لگانے سے بچ سکیں۔

اس موقع پر ایک اور پروفیسر صاحب نے جوشاید تاریخ کے ماہر تھے، اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا:

آپ نے جو کچھ کہا بالکل صحیح ہے۔ معاذ اللہ امام علی کرم اللہ وجہہ خلافت کے لالچی نہیں تھے اور نہ وہ خلافت کی طمع میں کسی کو بھی قتل کرسکتے تھے، سخت افسوس کی بات ہے کہ ابھی تک بعض مسلمان علی ع پر شک کرتے ہیں جبکہ عیسائی بھی ان کا احترام کرتے ہیں۔ میں نے حال ہی ایک عیسائی مصنف جارج جرداق کی ایک کتاب پڑھی ہے جس کا نام ہے "صوت العدالة الانسانیہ" (ندائے عدالت انسانی) اس کتاب میں اس نے حیران کن واقعات بیان کیے ہیں جو شخص بھی اس کتاب کو پڑھے گا، امام علی ع کی عظمت

کے سامنے سر جھکا دے گا۔ اس پر ایک تیسرے پروفیسر صاحب ان کی بات کاٹ کر بولے : آپ نے شروع سے ہی یہ با کیوں نہ کہی؟

انہوں نے جواب دیا : میں درحقیقت تیجانی بھائی کی باتیں سن رہا تھا میں انہیں پہلے سے نہیں جانتا تھا اس لیے چاہتا تھا کہ ان کا جواب سنوں اور ان کی معلومات کا اندازہ لگاؤں۔ الحمد للہ ! انہوں نے اپنے دلائل سے ہمیں لاجواب کر دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجھے یقین ہے کہ یہ صاحب بھی امام علی ع کی فضیلت کے قائل ہیں لیکن انہیں ابو بکر اور عمر کی حمایت میں جوش آگیا ، اس لیے وہ تیجانی بھائی کی باتوں کے ردّ عمل کے طور پر امام علی ع کی شان میں گستاخی کر بیٹھے جس کا انہیں احساس بھی نہیں ہوا۔

پہلے پروفیسر صاحب نے بھی اپنے ساتھی کی اس بات کو پسند کیا کیونکہ اس طرح انہیں اس مضمے سے نجات مل گئی جن میں وہ سب کے سامنے اپنی ہی باتوں کی وجہ سے پھنس گئے تھے۔ گرچہ اب حق ظاہر ہو چکا تھا اور ان صاحب کے لیے بہتر تھا کہ اپنی ضد پر قائم رہتے ہوئے صحابہ کا دفاع کرتے مگر وہ ازروئے جہالت حقائق کو مسخ کرتے ہوئے کہنے لگے :

جی ہاں ! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خلفاء کا اسلام اور مسلمانوں پر بڑا احسان ہے چاہے انہوں نے کچھ بھی کیا ہو۔ آخر کو وہ بشر تھے اور کسی نے بھی ان کے معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی خوبیاں بیان کریں (اور خامیوں پر پردہ پڑا رہنے دیں) یہ صحیح نہیں ہے کہ شیعوں کی طرح خلفاء کی فضیلت کا انکار کریں اور حبّ علی میں غلو سے کام لیں۔

میں نے کہا : اگر اجازت ہو تو میں اپنا جواب مکمل کر لوں تاکہ آپ میں سے کسی کے ذہن میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

"ان صاحب کا یہ کہنا کہ امام علی ع سے پہلے جو تین خلفاء ہوئے ان کی زندگیاں اشاعت اسلام میں صرف ہوئیں اور ان کے عہد میں بڑی فتوحات ہوئیں ، نیز کہ اگر وہ نہ ہوتے تو آج مسلمان نہ ہوتا ، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر فتوحات کا مقصد اللہ کی رضا اور اسلام کی عزت تھا تو اللہ اس کی جزا دے گا ، لیکن اگر مقصد اپنی فوقیت جتانا ، مال غنیمت حاصل کرنا اور عورتوں کو باندیاں بنانے کے لیے قید کرنا تھا تو پھر اس کا نہ کوئی اجر ہے اور نہ ثواب۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب عثمان بن عفّان کی مخالفت نے زور پکڑا اور لوگ ان پر اعتراض کرنے لگے تو انہوں نے مروان بن حکم اور معاویہ بن ابی سفیان سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا " افریقہ فتح کرنے کے لیے فوجیں بھیج دو تاکہ لوگوں کا دھیان بٹ جائے ، پھر چاہے ان کی پیٹھ پر جوئیں رینگتی رہیں انہیں فکر ہوگی تو اس کی کاٹھی سے ان کے گھوڑوں کی پیٹھ پر زخم پڑ جائیں "(100)۔ چنانچہ عثمان نے اپنے دودھ شریک بھائی عبداللہ بن ابی سرح کی قیادت میں افریقہ فتح کرنے کے لیے فوج بھیج دی اور فتح کے بعد بلاشرکت غیرے عبداللہ بن ابی سرح کو افریقہ کا پورا خراج دے دیا۔ یہ عبداللہ بن ابی سرح ایک دفعہ ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گیا تھا اور رسول اللہ ص نے اعلان کر دیا تھا کہ اس کا خون مباح ہے ، جو شخص چاہے اسے قتل کر دے۔ جب رسول اللہ ص فتح مکہ کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے اپنے اصحاب کو ہدایت کی عبداللہ بن ابی سرح جہاں کہیں ملے اس کو قتل کر دو چاہے وہ کعبے کے پردے پکڑے ہوئے کیوں نہ ہو۔ لیکن عثمان نے اسے چھپالیا اور فتح کے بعد اسے رسول اللہ ص کے پاس لے کر آئے اور اس کی سفارش کی۔ رسول اللہ ص خاموش اور اس بات کے منتظر رہے کہ کوئی اٹھ کر اسے قتل کر دے ، جیسا کہ آپ نے بعد میں فرمایا۔ اس پر عمر نے کہا کہ یا رسول اللہ ص مجھے آنکھ سے اشارہ کر دیا ہوتا۔ آپ نے فرمایا :

"نحن معاشر الأنبياء لاینبغی أن تكون لنا خائنة الأعین."

ہم انبیاء کے لیے آنکھ سے دھوکا دینا نامناسب ہے " (101)

یہ تھے فتح افریقہ کے اسباب اور ایسے شخص کے ہاتھوں افریقہ کے لوگ مسلمان ہوئے۔ میں بھی اسی شخص کے توسط سے مسلمان ہوا ! یہ تو ہوئی ایک بات۔ دوسری بات یہ ہے کہ کس نے کہا ہے کہ اگر سقیفہ کا قصہ نہ ہوتا اور علی کو خلافت سے دور نہ رکھا جاتا تو بڑے پیمانے پر اور زیادہ نفع بخش نہ ہوتیں اور آج پورے کرہ ارض پر اسلام چھایا ہوا نہ ہوتا؟؟ پھر یہ بھی ہے کہ انڈونیشیا کو خلفاء نے فتح نہیں کیا تھا، وہاں اسلام تلواروں کے ذریعے نہیں بلکہ سوداگروں کے ذریعے پہنچا تھا اور آج بھی وہاں دنیا بھر میں سب سے زیادہ مسلمان ہیں۔ اور انڈونیشیا اس اسپین سے بہتر ہے جو ان لوگوں کے ہاتھوں تلوار سے فتح ہوا تھا اور جو آج اسلام اور مسلمانوں کا مخالف ہے۔

برادران گرامی ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس سلسلے میں ایک چھوٹا سا قصہ آپ کو سناؤں :

ایک بادشاہ نے حج کو جانے سے پہلے وزیر کو اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا۔ ان دنوں حج کے سفر میں پورا ایک سال لگتا تھا۔ بادشاہ کے جانے کے بعد اس کے کچھ درباریوں نے وزیر کے خلاف سازش کر کے اسے قتل کر دیا اور اپنے میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ وزیر مقرر کر دیا۔ اس نئے وزیر نے بڑے بڑے کام کیے۔ سڑکیں اور مسجدیں بنوائیں، سرائے اور حمام بنوائے۔ بعض سرکش قبائل کو زیر کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مملکت پہلے سے بھی زیادہ وسیع ہو گئی۔ لیکن جب بادشاہ کو حج سے لوٹنے پر یہ معلوم ہوا کہ اس کے قائم مقام کو قتل کر دیا گیا ہے تو وہ بہت افروختہ ہوا اور سب سازشیوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ ایک نے آگے بڑھ کر کہا: سرکار عالیجاہ ! ہم نے جو آپ کی حکومت کی توسیع کے لیے بڑے بڑے کارنامے اور خدمات لائقہ انجام دی ہیں، کیا ان کے صلے میں ہمارے جرم کو معاف نہیں کیا جاسکتا؟ بادشاہ نے بگڑ کر کہا: چپ رہ خبیث ! تم نے میرے وزیر کو قتل کر کے۔ جسے میں نے اپنا قائم مقام مقرر کر کے کیا تھا۔ میرے ساتھ نمک حرامی کی ہے۔ رہی وہ خدمات جو تم نے انجام دی ہیں تو وہ اکیلا اس سے کئی گنا زیادہ کرسکتا تھا جو تم سب نے مل کر کیا ہے " یہ قصہ سن کر سب ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم مطلب سمجھ گئے۔

میں نے کہا: اب اس آخری فقرے پر آئیے جو ان پروفیسر صاحب نے کہا تھا کہ جب علی ع کو خلافت مل گئی تو انہوں نے ایک طوفان کھڑا کر دیا اور ہر چیز کو اتھل پتھل کر دیا !

ہم سب کو معلوم ہے کہ اور تاریخ شاہد ہے کہ طوفان تو حضرت عثمان کے عہد میں مچا اور ہر چیز اس وقت اتھل پتھل ہوئی جب انہوں نے اقربا پروری کے نتیجے میں اپنے فاسق و فاجر رشتہ داروں کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا حالانکہ اس وقت بہترین صحابہ موجود تھے، جنہیں اس کے سوا کیا ملا کہ انہیں زدوکوب کیا گیا (102) شہر بدر کیا گیا (103) اور ان کی ہڈی پسلیاں توڑی گئیں (104) اسلام اس وقت پیچھے ہٹنے اور ناکام ہونے لگا جب مسلمان بنی امیہ کے غلام بن گئے۔

پروفیسر صاحب ! آپ یہ سب حقائق لوگوں کو اور خصوصا اپنے شاگردوں کو کیوں نہیں بتلاتے اور ان کی صحیح رہنمائی کیوں نہیں کرتے۔ جب امام علی ع کو خلافت ملی تو انہوں نے دیکھا کہ کچھ بے دین ہیں، کچھ ظالم ہیں اور کچھ غدار ہیں باقی جو بچے ہو سب منافق ہیں۔ حقیقی مسلمان صرف چند تھے جنہوں نے علی ع کی ان ہی امور پر بیعت کی جن امور پر رسول اللہ ص کی بیعت کی تھی۔ امام علی ع نے بگاڑ کر دور کرنے، عدالت کو قائم کرنے اور معاملات کو روبراہ لانے کی اپنی سی پوری کوشش کی یہاں تک کہ وہ اسی اصلاح کی کوشش میں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد ان کے بیٹے شہید ہوئے انہیں زہر دیا گیا اور وہ بھی اصلاح کی راہ میں قربان ہو گئے۔

اس کے بعد امام علی ع کے دوسرے بیٹے امام حسین اپنے ساتھیوں، بھائیوں، بیٹوں اور اہل بیت سمیت شہید (105) ہوئے۔ ائمہ اہلبیت ع میں سے ہر امام نے شہادت پائی خواہ تلوار سے مقتول ہو کر یا زہر سے مسموم ہو کر۔ ان سب ائمہ نے اپنے نانا کی امت کی اصلاح کی خاطر اپنی جان کی قربانی دی۔

میں یہاں ایک لطیفہ بیان کرنا چاہتا ہوں، اس سے آپ کو امام علی بن ابی طالب ع کی قدرومنزلت کا اندازہ ہوگا : ایک دفعہ ایک شخص امام علی ع کے پاس آیا اور کہنے لگا : یا امیر المومنین! میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ امام ع نے فرمایا : جو چاہو پوچھو۔ اس نے کہا: یہ کیا بات ہے کہ ابو بکر اور عمر کے زمانے میں تو حالات ٹھیک رہے لیکن آپ کے زمانے میں ٹھیک نہ ہو سکے، امام علی ع نے برجستہ جواب دیا : ابو بکر اور عمر مجھ جیسے لوگوں پر حکومت کرتے تھے اور میں تم جیسے لوگوں پر حکومت کرتا ہوں۔ اسی لیے یہ انتشار پیدا ہو گیا۔

کیا خوب اور شافی جواب ہے اس کی طرف سے کہ تاریخ نے رسول اللہ ص کے بعد اس جیسا معلّم نہیں دیکھا۔ اس قصّے کو سن کر سب حاضرین بہت محفوظ ہوئے اور کہنے لگے کہ آخر علی ع شہر علم کا دروازہ تھے۔ میں نے یہ کہہ کر اپنی بات ختم کر دی کہ: ہمارے پروفیسر نے مجھ پر الزام لگایا کہ میں خلفائے ثلاثہ کی تنقیص کرتا ہوں اور ان کے کردار کی پاکیزگی میں شبہ پیدا کرتا ہوں، تو یہ محض تہمت ہے۔ کیونکہ میں نے فقط وہی کچھ کہا جو بخاری و مسلم نے کہا ہے اور اہل سنت مورخین نے کہا ہے۔ اگر آپ اس تنقیص اور کردار کشی تصور کرتے ہیں تو مجھے الزام دینے سے پہلے ان لوگوں پر الزام دیں۔ مجھ سے تو فقط یہ مطالبہ کر سکتے ہیں کہ میں کوئی ایسی سند دکھاؤں جو اہلسنت کے نزدیک قابل اعتماد ہو مجھے آپ صرف اس وقت الزام دے سکتے جب آپ خود ان سندوں کو دیکھ کر میرا کوئی ایک بھی جھوٹ پکڑ سکیں۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا : واقعی اس طرح کی بحثوں میں یہی ہونا بھی چاہیے۔ سب نے پروفیسر پر زور دیا کہ مجھ سے معذرت کریں چنانچہ انہوں نے معذرت کر لی۔ فللہ الحمد

(1):- قرآن کریم بھی ہمیں انصاف سے کام لینے کی تلقین کرتا ہے اور کہتا ہے :

اے ایمان والو! لوگوں کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو۔ (سورہ مائدہ۔ آیت 8)

واضح رہے کہ شیعوں کی کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جس کی اصل اہل سنت کی کتابوں میں موجود نہ ہو۔

(2):- ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم نیشاپوری، ثعلبی المتوفی سنہ 437ھ۔ ابن خلکان کہتے ہیں کہ علم تفسیر میں یکتا ئے زمانہ تھے، روایت میں ثقہ اور قابل اعتماد تھے۔

(3):-، سنن نسائی، مسند احمد بن حنبل، صواعق محرقہ ابن حجر ہیثمی مکی۔ شرح نہج البلاغہ۔

(4):- اہل سنت میں راویان حدیث کے القاب کی درجہ بندی مندرجہ ذیل ہے :

- 1:- محدّث : جسے درایت حدیث پر عبور ہو
- 2:- حافظ: جسے ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں
- 3:- حجت : جسے تین لاکھ حدیثیں یاد ہوں
- 4:- حاکم : جسے سب حدیثیں یاد ہوں (ناشر)

(5):- تفسیر در منثور -سیوطی

(6):- فتح الباری جلد 6 صفحہ 31 -البداية والنهاية جلد 8 صفحہ 102 - سیر اعلام النبلاء ذہبی جلد 2 صفحہ 287

الاصابه ، ابن حجر جلد 3 صفحہ 287

(7)(8)(9):- تفسیر در منثور ،سیوطی جلد 3 صفحہ 3

(10)(11):- سیوطی ،تفسیر درمنثور جلد 3 صفحہ 3.

(12):-سورہ زخرف -آیت 78 . (13):- سورہ الحاقہ -آیت 49 .(14):- سورہ نساء -آیت 165

(15):- میں نے یہاں کچھ علماء کا ذکر کیا ہے جبکہ علامہ امینی نے اپنی کتاب الغدير میں تفصیل سے علمائے

اہل سنت کا ذکر کیا ہے ۔

(16):- یہ حدیث حدیث غدیر کے نام سے موسوم ہے ۔ شیعہ اور سنی علماء نے اسے اپنی کتابوں میں درج کیا

ہے ۔

(17):- مسند امام احمد بن حنبل -تفسیر جامع البیان ،طبری -تفسیر کبیر، رازی ۔ صوعق محرقع ،ابن حجر

ہیثمی مکی -دارقطنی -بیہقی -خطیب بغداد اور شہرستانی وغیرہ نے بھی یہ واقعہ اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے ۔

(18):-مسند امام احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 372

(19):- نسائی خصائص امیرالمومنین صفحہ 21

(20):-مستدرک علی الصحیحین جلد 3 صفحہ 109

(21):- صحیح مسلم جلد 7 صفحہ 122 باب فضائل علی بن ابی طالب ع ۔اس حدیث کو امام احمد بن حنبل

،ترمذی ----نے نقل کیا ہے ۔

(22):- یہ روایت ابن حجر نے صواعق محرقہ میں طبرانی اور ترمذی سے نقل کی ہے ۔

(23):- جب کبھی رسول اللہ ص صحابہ کرام کو کوئی اہم حکم دینا چاہتے تھے تو انہیں نماز جماعت میں

شمولیت کی دعوت دیتے تھے ۔اس نماز میں حاضر ہونا ان کے لیے نماز جمعہ کی طرح فرض ہوتا تھا ۔ اس

اجتماعی نماز کے لیے منادی " الصلاة جامعة " پکارتا تھا نیز نماز استسقاء اور نماز آیات وغیرہ میں بھی اسی

شعار سے لوگوں کو جمع کیا جاتا تھا ۔(ناشر)

(24):- مسند امام احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 117۔فضائل الخمسة ون الصحاح الستہ جلد 1 صفحہ 350۔

(25):- علامہ امینی کی کتاب الغدير گیارہ جلد وں میں ہے ۔ یہ بڑی نفیس کتاب ہے ۔اس میں مصنف نے برسوں

تحقیق کے بعد غدیر سے متعلق سب مواد اہل سنت کی کتابوں سے جمع کیا ہے ۔

(26):- اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ، جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاو گے۔

(27):- عبداللہ بن سبا کا کوئی وجود نہیں ۔ دیکھیے کتاب عبداللہ بن سبا مولفہ علامہ مرتضیٰ عسکری ،کتاب

الفتنة الكبرى مولفہ حسین اور کتاب الصلة بين التصوف والتشيع مولفہ ڈاکٹر مصطفیٰ کا مل شیبی ۔آخر الذکر

کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سبا سیدنا عمار یاسر کو کہا گیا ہے ،دل چاہے تو کتاب کا مطالعہ کیجئے

!۔

(28):- وجہ یہ ہے کہ اہل بیت ع نے اپنے اخلاق ، اپنے علوم ، اپنے زہد وتقویٰ اور اپنی ان کرامات سے جو اللہ نے

ان کو عطا کی تھیں ، اپنے آپ کو منوالیا تھا ۔

(29):- صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 191 اور صفحہ 201 ۔باب مناقب عثمان ۔

بخاری نے جلد 4 صفحہ 195 پر حضرت علی ع کے فرزند محمد بن حنفیہ سے ایک روایت منسوب کی ہے کہ

انہوں نے کہا : میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ رسول اللہ ص کے بعد سب سے بہترین شخص کون ہے ؟ انہوں نے کہا : ابو بکر ۔ میں نے پوچھا : ان کے بعد کہا : عمر ۔ میں ڈرا کہ کہیں یہ نہ کہہ دیں کہ ان کے بعد عثمان ۔ اسی لیے میں نے کہا ان کے بعد آپ کہا یمن تو فقط ایک مسلمان ہوں ۔

(30):- صحیح بخاری جلد 5 صفحہ 127

(31):- سیوطی ۔ درّ منثور جلد 3 صفحہ 18

(32):- سیوطی ۔ تفسیر درمنثور آیت " الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ " کی تفسیر میں ۔

(33):- خدا کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے ۔ ان میں سے چار مہینوں : ذی القعدہ ، ذی الحجہ ، محرم اور رجب کو خدا نے حرام قرار دیا ہے ۔ لیکن جو قبیلے ان حرام مہینوں میں جنگ کرنا چاہتے تھے کعبہ کے متولی ان سے پیسے لے کر حرام مہینوں کو بدل دیتے تھے ۔ وہ ان مہینوں کی جگہ دوسرے مہینوں کو حرام قرار دیتے تھے (ناشر)

(34):- یہ مکمل خطبہ طبری نے کتاب الولایہ میں نقل کیا ہے ۔ سیوطی نے بھی اسے تفسیر درمنثور جلد دوم میں ملتے جلتے الفاظ میں نقل کیا ہے ۔

(35):- شوکانی ، تفسیر فتح الباری القدير جلد 3 صفحہ 57 ۔ سیوطی ، تفسیر درمنثور جلد 2 صفحہ 298

(36):- حاکم حسکانی بروایت ابوب سعید خدری اپنی تفسیر میں اور حافظ ابو نعیم اصفہانی ما نزل من القرآن فی علی ع میں

(37):- یہ قصہ امام ابو حامد غزّالی نے اپنی کتاب سرّ العالمین صفحہ 6 پر بیان کیا ہے ۔ اس کے علاوہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند جلد 4 کے صفحہ 281 پر اور طبری نے اپنی تفسیر کی جلد 3 کے صفحہ پر اس کا ذکر کیا ہے ۔ نیز بہیقی ، دارقطنی ، فخر رازی اور ابن کثیر وغیرہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے ۔

(38):- جلال الدین سیوطی ، " الازہار فیما عقدہ الشعراء من الاشعار "

(39):- طبری ، تاریخ الامم والملوک جلد 5 صفحہ 3 ، ابن اثیر الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 31 ۔ شرح نہج البلاغہ

(40):- امام احمد بن حنبل ، مسند جلد 4 صفحہ 370 ، ملا علاء الدین متقی ، کنز العمال جلد 397 ۔ ابن کثیر ، البدایہ والنہایہ جلد 5 صفحہ 211

(41):- بیہمی ، مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 106 ۔ ابن کثیر ، البدایہ والنہایہ جلد 5 صفحہ 26 ، امام احمد بن حنبل ، مسند جلد اول ،

(42):- ابن کثیر ۔ البدایہ والنہایہ جلد 5 صفحہ 214 ۔

(43):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 26 باب رجم الحبلى من الزنا ۔

(44):- طبری ، تاریخ الامم والملوک ۔ اب اثیر الکامل فی التاریخ ۔

(45):- سعد بن ابی وقاص کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے حضرت عثمان کے بعد بھی حضرت علی ع کی بیعت نہیں کی ۔

(46):- عبدالرحمان بن عوف کی طرف اشارہ ہے ۔ یہ حضرت عثمان کی سوتیلی بہن کے شوہر تھے ۔ (ناشر)

(47):- طبری ، تاریخ الامم والملوک ۔ ابن اثیر الکامل فی التاریخ سنہ 36 کے واقعات ۔ شیخ محمد عبدہ شرح نہج البلاغہ جلد 1 ۔

(48):- اس شخص کو رسول اللہ ص نے فتح مکہ کے دن واجب القتل قرار دیا تھا ۔

- (49):- مثلا اسامہ بن زید، زبیر بن العوام، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود، عمار بن یاسر، حذیفہ بن یمان، خزیمہ بن ثابت، ابو ہریرہ اسلمی، براء بن عازب، فضل بن عباس، ابی بن کعت، سہل بن حنیف، سعد بن عبادہ، قیس بن سعد، خاد بن سعید، ابو ایوب انصاری، جابر بن عبداللہ انصاری وغیرہ۔ (ناشر)
- (50):- طبری، دلائل الامامة۔ ابن طیفور بلاغات النساء۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ۔
- (51):- صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 195
- (52):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 26۔ طبری، تاریخ الامم والملوک۔ ابن قتیبہ، الامامة والسیاسة۔
- (53):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 29۔ "باب رجم الحبلى عن الزنا اذا احصنت"
- (54):- سب مورخین کہتے ہیں کہ سقیفہ میں صرف چار مہاجر موجود تھے۔ یہ کہنا کہ "میں نے بیعت کی اور مہاجرین نے بیعت کر لی" یہ اس قول سے متصادم ہے جو اسی خطبے میں آگے ہے کہ علی ع، زبیر اور ان دونوں کے ساتھیوں نے مخالفت کی۔ صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 26
- (55):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 28
- (56):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 26
- (57):- طبری، تاریخ الامم والملوک، استخلاف عمر۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغۃ۔
- (58):- ابن قتیبہ، الامامة والسیاسة جلد 1 صفحہ 18
- (59):- صحیح مسلم جلد 5 صفحہ 75۔ صحیح بخاری جلد 7 صفحہ 9
- (60):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 25
- (61):- ابن سعد نے طبقات میں اس کی تصریح کی ہے۔ دوسرے مورخین نے بھی جنہوں نے سریہ اسامہ بن زید کا ذکر کیا ہے، ان بات کو بیان کیا ہے۔
- (62):- شیخ محمد عبدہ، شرح نہج البلاغۃ جلد 1 صفحہ 88
- (63):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 27۔ صحیح باب الوصیہ۔
- (64):- صحیح بخاری کتاب الاحکام باب الامراء من قریش۔
- (65) صحیح مسلم جلد 6 کتاب الامارہ۔
- (66):- شیخ محمد عبدہ، شرح نہج البلاغۃ جلد 1 صفحہ 87۔
- (67):- صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 411۔ مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 126
- (68):- صحیح بخاری جلد 3 صفحہ 168۔
- (69):- مسند احمد جلد 5 صفحہ 25۔ مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 124۔
- (70):- مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 126۔
- (71):- شیخ متقی ہندی۔ منتخب کنز العمال جلد 5 صفحہ 34
- (72):- محب طبری، الرياض النضرہ، باب فضائل علی بن ابی طالب
- (73):- صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 144 و جلد 8 صفحہ 151
- (74):- صحیح بخاری جلد 7 صفحہ 209۔ صحیح مسلم، باب الحوض۔
- (75):- سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، مسند احمد جلد 3 صفحہ 120۔ جامع ترمذی کتاب الایمان۔
- (76):- 1:- صحیح بخاری کتاب المحاربین، باب لایرجم المجنون۔ 2:- سنن ابی داؤد باب مجنون یسرق صفحہ 147۔ 3:- مسند احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ 140، 154۔ 4:- موطاء امام مالک بن انس کتاب الاشربہ صفحہ

186. 5:- مسند شافعی کتاب الاشربہ صفحہ 166۔ 6:- کنز العمال ملا علاء الدین متقی جلد 3 صفحہ 7-95:- مستدرک حاکم جلد 4 صفحہ 375۔ 8:- سنن دراقطنی کتاب9:- شرح المعانی آثار طحاوی کاب القضاء صفحہ 294۔
- (77):- صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 5۔ صفحہ 12۔ جلد 5 صفحہ 76-77۔ صحیح مسلم جلد 7 صفحہ ...
- (78):- بقول ابو علی سینا :- علی ع صحابہ میں ایسے ہی جیسے محسوس میں معقول (یعنی جسے جسم میں روح) (ناشر)
- (79):- مناقب الخوارزمی صفحہ 58۔ تذکرۃ السبط صفحہ 87۔ اب مغازلی ترجمہ علی ع صفحہ 79
- (80)(81)(82):- شرح نہج البلاغہ
- (83):- طبری ، تاریخ الامم والملوک جلد 2 صفحہ 319۔ ابن اثیر ، الکامل فی التاریخ جلد 2 صفحہ 62
- (84):- صحیح بخاری باب فضائل علی ع صحیح مسلم جلد 7 صفحہ 120
- (85):- مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 128۔ طبرانی ، معجم کبیر ۔
- (86):- سیرۃ حلبیہ ، غزوہ ذات السلاسل ۔ ابن سعد طبقات کبری
- (87):- ملا علاؤالدین متقی ، کنز العمال جلد 6 صفحہ 392 حدیث 6009۔ ابو نعیم اصفہانی ، حلیۃ الاولیاء ، حافظ قندوزی حنفی ، ینابیع المودۃ صفحہ 73۔ 77۔ ابن عساکر ، تاریخ دمشق جلد 2 صفحہ 483۔
- (88):- مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 123۔ ابن عساکر ، تاریخ دمشق جلد 2 صفحہ 488
- (89):- کلالۃ کے معنی میں اختلاف ہے ۔ بظاہر معنی ماں باپ اور اولاد کے علاوہ وارث ک ے ہیں ۔
- (90):- جیسا کہ بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ مسلمان یہودی ونصاری کے طریقوں پر قدم بقدم چلیں گے اور اگر وہ گوہ کے بھٹ گھسیں گے تو مسلمان بھی ایسا ہی کریں گے ۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے ، اسی طرح حدیث حوض میں رسول اللہ ص نے فرمایا : میں دیکھتا ہوں کہ ان میں بہت ہی کم نجات پائیں گے ۔
- (91):- جیسا کہ سورہ آل عمران میں ہے : " أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ " اور سورہ فرقان میں ہے : "يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا"
- (92):- صحیح بخاری جلد 7 صفحہ 10۔ صحیح مسلم ، کتاب صفات المنافقین ۔
- (93):- ان صاحب کا اشارہ عثمان بن عفّان کے عہد میں شمالی افریقہ کے فتح ہونے کی طرف تھا ۔ مطلب یہ کہ اگر یہ فتح نہ ہوتی تو ہم برابر ہی رہتے ۔ ہمارا اسلام سے کوئی واسطہ نہ ہوتا ۔
- (94):- "إِنَّ دُنْيَاكُمْ عِنْدِي لَاهُونَ مِنْ وَرَقَةٍ فِي جَرَادَةٍ تَقْمِضُهَا"۔ (نہج البلاغہ خطبہ 221)
- (95):- "ولا لفیتم دنیاکم ہذہ اُزہد عِنْدِي مِنْ عَطْفَةِ عَنزٍ"۔ (نہج البلاغہ خطبہ شقشقیہ)
- (96):- رسول اللہ ص کی ان زوجہ محترمہ نے یہ آیہ قرآن "وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ" کی خلاف ورزی کر کے سیاسی فتنوں کو عالم اسلام میں راہ دی اگر چہ بعد میں وہ اس پر پشیمان ہوئیں اور بولیں : کاش میرے رسول اللہ ص سے بہت سارے بچے ہوتے اور سارے مرجاتے مگر میں اس قضیے میں ہاتھ نہ ڈالتی ! (اسدالغابہ جلد 3 صفحہ 384) (ناشر)
- (97):- طبری ابن اثیر ، یعقوبی ، مسعودی اور وہ تمام مورخین جنہوں نے جنگ جمل کا حال لکھا ہے۔
- (98):- طبری ، تاریخ الامم والملوک جلد 5 صفحہ 153۔ ابن کثیر ، البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 227۔ ابن واضح یعقوبی ، تاریخ یعقوبی جلد 2 صفحہ 127۔
- (99):- ابن کثیر ، البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 131۔ ابو الفرج اصفہانی ، مقابل الطالبین صفحہ 70۔ ابن ابی

(100):-طبری،تاریخ الامم والملوک باب خلافت عثمان۔ابن اثیر الکامل فی التاریخ باب خلافت عثمان۔

(101):-طبری،تاریخ الامم والملوک باب خلافت عثمان۔ابن عبدالبر،استیعاب ترجمہ بن ابی سرح۔

(102):- جیسے عمّار بن یاسر کو زدوکوب کیا گیا،ان کی آنت اتر آئی، مہینوں علاج کراتے رہے۔

(103):- ابوذر غفاری نے بورژوا طبقے کی مخالفت کی تو شہر بدر کیے گئے۔اکیلے پڑے ہوئے جان دے دی۔

(104):- عبداللہ بن مسعود نے فاسقوں کو مسلمانوں کا مال دینے پر اعتراض کیا تو وہ ماردی گئی کہ پسلیاں

ٹوٹ گئیں۔

(105):- ذرا غور فرمائیے کہ وہ کون سے حالات اور اسباب تھے کہ رسول اللہ کی رحلت کے صرف پچاس سال

بعد رسول اللہ ص کے نام لیواؤں نے رسول اللہ ص کی اولاد کو بھوکا پیاسا شہید کردیا۔ (ناشر)